"مولانا مودودی مرحوم اور میں"
ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک نہایت اہم تحریر: ص۱۷

ستمبر ۸۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

مقام اشاعت :- ۳۶-کے- ماڈل ٹاؤن - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رلیفریجریٹرز، ایئرکنڈیشنرز اور فریزرز میں سب سے بہتر

سانیو

SANYO

خریدیئے

نوفراسٹ ریفریجریٹرز

اب پاکستان میں تیار/اسمبل کئے جاتے ہیں

• مختلف سائزیں۔ دلکش رنگوں میں حفاظتی تالے کے ساتھ۔ اشیاء کے ذخیرہ کرنے کی زیادہ گنجائش۔ بازار جانے کی کم زحمت۔ مکمل کارکردگی۔ آزمودہ ریفریجریٹرز بڑے قد وقامت کے ۳ دروازے والے فیملی ماڈلز سے لیکر مجرد اشخاص کے لئے چھوٹے ماڈلز تک دستیاب

بے آواز

رُوم ایئرکنڈیشنرز

گرمیوں میں سرد، سردیوں میں گرم ہوا

گنجائش ۱/۲ ٹن (۱۸۰۰۰ بی ٹی یو/ایچ)

پاکستان میں تیار/اسمبل کردہ

ٹھنڈا کرنے کی زیادہ صلاحیت بجلی کا کم خرچ

بہتر کارکردگی کیلئے آٹو ڈیفیوزر سے آراستہ

براؤن ٹیک میں فنش کی ہوئی باڈی۔

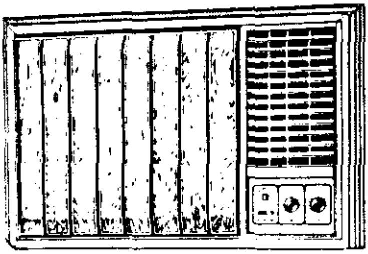

اِسپلٹ ٹائپ ایئرکنڈیشنرز

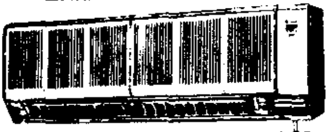

نیا روٹری کمپریسر آواز، ارتعاش اور بجلی کا خرچ کم کرنے کیلئے۔

دیوار پر نصب کیا جانیوالا ڈیزائن کمرہ میں قابلِ استعمال جگہ بچاتا ہے

۱۲ گھنٹے کا وقتی سوئچ۔

آئی سی تھرموسٹیٹ صحیح ٹمپریچر برقرار رکھنے کے لئے

۳ اسپیڈ فین آپریشن سلیکٹر

دیوار فرش اور سیلنگ میں نصب کئے جانے کے قابل

ٹھنڈا کرنے کی صلاحیت ۱۵۰۰۰ تا ۳۵۷۰۰ بی ٹی یو

کرم فرما خصوصی توجہ فرمائیں:

مذکرہ مصنوعات خریدتے وقت ورلڈ وائیڈ کمپنی کی جاری کردہ پانچ سالہ گارنٹی ضرور حاصل کریں تاکہ سروس بعداز فروخت کی مفت سہولت سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

پاکستان میں سانیو کی تمام مصنوعات کے سول ایجنٹ:

ورلڈ وائیڈ ٹریڈنگ کمپنی

سانیو سینٹر شوروم اویسر دس سینٹر۔ گارڈن روڈ۔ صدر کراچی

فون: ۷۷۳۶۴ - ۷۴۷۴۹ - ۷۴۷۰۰

پاکستان: کیبل "WORLDBEST" ٹیلکس 25109 WWTCO PK

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ **میثاق** لاہور

جلد: ۳۱ | ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۲ء | شمارہ: ۹

مشمولات

○ عرضِ احوال — جمیل الرحمٰن — ۲

○ درسِ قرآن (نشری تقریر)
سورۃ ابراہیم: آیات ۲۸ تا ۳۰ — ڈاکٹر اسرار احمد — ۱۱

○ مولانا مودودی مرحوم اور میں — ڈاکٹر اسرار احمد — ۱۷

○ اخلاصِ نیّت (درسِ حدیث) — مولانا سید وصی مظہر ندوی — ۳۵

○ سلسلۂ تقاریر "رسولِ کامل" (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۲
انقلابِ نبوی کی توسیع: خلافتِ فاروقی و عثمانی — ڈاکٹر اسرار احمد — ۳۹

○ حسنِ انتخاب
دعوت اور حکمتِ دعوت — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی — ۴۶

○ بلتستان میں دس دن (رپورتاژ) — خبیب عبدالقادر — ۵۹

○ ضمیمۂ رپورتاژ
ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا خلاصہ اور
جید شیعہ عالم دین سید علی صاحب کے تاثرات — خبیب عبدالقادر — ۷۱

★

ادارہ تحریر:- شیخ جمیل الرحمٰن ۔ حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون -/۳۰

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد، طابع: چودھری رشید احمد
مطبع: مکتبہ جدید، شارع فاطمہ جناح - لاہور

قیمت فی شمارہ -/۳

مقامِ اشاعت: ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴، فون: [illegible]

جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

نحمدہ، ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

بحمداللہ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۲ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ توقع ہے کہ تنوع کے لحاظ سے میثاق کے قارئین اس شمارے کو پسند کریں گے۔ محدود ضخامت کی وجہ سے اس مرتبہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی کے اختتامی خطاب کی چوتھی قسط (جو موصوف نے تنظیم کے ساتویں اجلاس کے موقع پر کیا تھا) شامل نہیں کی جا رہی۔ ان شاء اللہ العزیز یہ قسط قارئین آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں گے ــــ اس شمارے میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے ایک اہم مضمون "مولانا مودودی اور میں" کی پہلی قسط شائع کی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب تحریر و تقریر دونوں میں بارہا اس امر کا اظہار و اعتراف کر چکے ہیں کہ احیائے دین کی سعی و جہد کے لئے اول اول ان کے دل میں جذبہ حکیم الامت ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم کی ملی شاعری کے طفیل ابھرا اور پھر اس میں نشو و نما مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کے لٹریچر سے حاصل ہوئی۔ فرائض دینی کا صحیح تصور انہوں نے سید مرحوم کی تالیفات ہی سے سمجھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب مولانا مودودی مرحوم کے اس احسان کے ہمیشہ معترف و مقر رہے ہیں کہ دین اور عبادت رب کے ہمہ گیر تصور و شعور کو انہوں نے سید مرحوم ہی سے حاصل کیا ہے۔ جس میں پختگی، گہرائی اور گیرائی قرآن حکیم کے معروضی مطالعے سے حاصل ہوئی۔ جماعت اسلامی میں شمولیت اسی جذبے کے تحت ہوئی کہ اقامت دین کی جد و جہد ہر مسلمان کا فرض عین ہے اور اسکے لئے کسی منظم جماعت سے وابستگی بھی شرط لازم ہے۔ جماعت سے علیحدگی کے اسباب یہ تھے کہ جماعت ملک کے وقتی، ہنگامی اور سیاسی معاملات میں بتدریج اس طرح الجھتی چلی گئی کہ اس کا اصل و حقیقی مقصد وجود بتدریج پس منظر میں چلا گیا تھا اور پیش منظر میں جماعت ایک نیم دینی اور نیم سیاسی مقام پر جا کھڑی ہوئی تھی اور اس کی جد و جہد کا اولین ہدف اور اس کی مساعی کا اصل مرکز و محور ملک کے انتخاب میں حصہ لے کر ایوانِ اقتدار تک پہنچنے کا میدان بن کر رہ گیا تھا۔ بایں ہمہ سید مرحوم کا احترام اور ان کی عزت ڈاکٹر

صاحب کے دل میں باقی رہی۔ اختلاف اپنی جگہ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے دل میں سید مرحوم کو اپنے والد، مربی اور استاذ کے مقام پر فائز رکھا۔ یہ تمام احوال و کوائف ان شاء اللہ اس سلسلہ مضمون میں زیر گفتگو آجائیں گے جو اس شمارے سے ڈاکٹر صاحب نے "مولانا مودودی اور میں" کے عنوان سے شروع کیا ہے۔ ان میں ان اختلافات کا بھی ان شاء اللہ دلیل سے ذکر آئے گا جس کے باعث وصل فصل میں تبدیل ہوا۔

جیسا کہ گذشتہ متعدد شماروں میں اس امر کا تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ تقریباً سات آٹھ ماہ سے ڈاکٹر صاحب اخبارات کا موضوع بنے ہوئے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کی تقاریر کی غلط رپورٹنگ پر اخبارات میں موصوف کے خلاف بیانات، مراسلات اور اخبارات کے فکاہی کالموں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔ سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے چند نامکمل جملوں کو تنقید کا ہدف بنا لینا بعض اخبارات کا معمول بن گیا ہے۔ پھر اس معاملہ میں تشویشناک صورتِ حال یہ ہے کہ غلط سلط اخباری رپورٹنگ اور نامکمل جملوں پر ہمارے ملک کے بعض اہل دانش و بینش اور صاحب علم و فضل بھی کسی تحقیق کی ضرورت محسوس کئے بغیر اخبارات میں اظہارِ خیال اور تنقید کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ اخبارات میں شائع ہونے والے ادھورے اور نامکمل جملوں کو بنیاد بنا کر بیانات جاری کرنا اور فکاہی کالم لکھنا ایسے ذمہ دار حضرات کے مقام بلند سے فروتر ہے۔ چونکہ اس طرح ایک خادمِ دین کے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور ملک میں انتشارِ فکر کو غذا ملتی ہے۔ جبکہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ اخبارات کی غلط اور خلافِ واقعہ رپورٹنگ پر ذاتیات کو تمسخر و استہزا اور تیز و تند تنقید کا ہدف بنائے جانے کے بجائے افہام و تفہیم کا انداز اختیار کیا جائے تاکہ اخبار بین طبقے کے سامنے ہر شخص کا صحیح اور واضح نقطہ نظر اور اختلاف رائے آجائے اور اس طرح ان کی ذہنی تربیت کا سامان ہو سکے ____ پھر ستم بالائے ستم ہمارے اکثر اخبارات کا یہ طرزِ عمل ہے کہ غلط رپورٹنگ پر بیانات اور طنز و تعریض اور استہزا و تمسخر سے معمور فکاہی کالموں کے جو وضاحتی بیانات یا مضامین و مراسلات ڈاکٹر صاحب یا ان کے وابستگان کی طرف سے اخبارات کو ارسال کئے جاتے ہیں۔ اکثر اخبارات ان کو شائع کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر تقاریر کے جو اگست ... ڈاکٹر صاحب ... کے ...

شہروں میں کی تھیں ایک جملے "پاکستان مسلم لیگ نے نہیں بنایا" کو سیاق و سباق سے علیحدہ کرکے اخباری رپورٹنگ پر اخبارات نے جو لکھا سو لکھا، محترم خواجہ صفدر صاحب نے جو اس وقت وفاقی کونسل المعروف بہ مجلس شوریٰ کے رکن ہیں، اس رپورٹنگ پر اعتماد کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب پر تنقید کر ڈالی۔ نیز ان ہی تقاریر میں ڈاکٹر صاحب نے انقلاب محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مراحل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس انقلابی دعوت کو ابتدا میں Passive Resistance (عدم تشدد) کا مرحلہ پیش آیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا کہ اسی سے گاندھی اور سکھوں نے اپنے گوردوارے واگزار کرانے کے لئے عدم تشدد کی پالیسی کو اخذ کیا تھا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ جب چورا چوری کے تھانے پر حملہ ہوا یعنی عدم تشدد سے انحراف ہوا تو گاندھی جی نے تحریک ترک موالات فوراً بند کر دی۔ اسی ضمن میں بہ سبیل تذکرہ گاندھی جی کی نمک بنانے کی تحریک کا حوالہ بھی آیا تھا لیکن اس کی غلط رپورٹنگ پر بھی ہمارے ایک معروف اخبار کے ایک معروف اور قابل احترام بزرگ نے "پنجابی گاندھی" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب پر تنقید کر ڈالی۔ ڈاکٹر صاحب اس دوران شمالی امریکہ کے دعوتی دورے پر جانے کے انتظام میں مصروف تھے اور وہ ۱۹ اگست کو عازم سفر بھی ہو گئے۔ عین روانگی کے وقت موصوف نے ایک وضاحتی بیان جاری کیا جو ملک کے اکثر اخبارات کے ساتھ لاہور کے تمام روزناموں کو ارسال کیا گیا لیکن نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ لاہور کے اخبارات میں سے صرف "امروز" اور "مشرق" نے پورا بیان شائع کرنے کے بجائے محض اس کی تلخیص شائع کرنے پر اکتفا کیا اور دوسرے معروف اخبارات حتیٰ کہ اس اخبار نے جس میں "پنجابی گاندھی" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب پر کالم لکھا گیا تھا اس بیان کی اشاعت کو سرے ہی سے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور اس بیان کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے اخبارات میں صحافتی ذمہ داری اور دیانت کا کتنا پاس ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ وضاحتی بیان حسب ذیل ہے:

"میری ایک تقریر کے نامکمل جملے کی اخباری رپورٹنگ سے ایک شدید غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ میں نے پہلے تو اسے کوئی اہمیت نہ دی تھی لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ خواجہ محمد صفدر ایسی ذمہ دار شخصیت نے بھی اس رپورٹنگ پر اعتماد کرتے ہوئے مجھ پر

تنقید کی ہے تو میں یہ وضاحت جاری کر رہا ہوں۔ میرا پورا جملہ یہ تھا کہ "اصل میں پاکستان مسلم لیگ نے نہیں بلکہ اللہ نے بنایا ہے اور پاکستان فی الواقع "مملکتِ خداداد پاکستان" ہے۔۔۔۔۔!" اور یہ بات بالکل وہی ہے جو سورۂ انفال میں غزوۂ بدر پر تبصرے کے ضمن میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے خطاب کر کے فرمائی گئی ہے کہ "ان (کافروں) کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا ہے۔!" اصل میں جب کسی مقابلے میں فریقین کی قوتیں بالکل کسی حساب کتاب میں آنے والی نسبت و تناسب میں نہ ہوں اور پھر بھی کمزور طاقت جیت جائے تو یہ اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی مشیّت کا ظہور ہوا ہے ــــ پاکستان کا ہندوؤں اور وقت کی برطانوی حکومت (لیبر گورنمنٹ) کے عزائم کے علی الرغم ــــــ اور اس کے باوجود کہ نہ مسلمان قوم من حیث القوم اپنی بیداری اور تنظیم کے اعتبار سے ہندوؤں کا پاسنگ تھی نہ مسلم لیگ کی طاقت کا کوئی مقابلہ انڈین نیشنل کانگریس ایسی مضبوط اور فعال جماعت سے کیا جا سکتا تھا۔ پاکستان کا قائم ہو جانا اللہ تعالیٰ کی خصوصی مشیّت کے سوا کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں ــــــ ورنہ کون احمق یہ کہہ سکتا ہے کہ عالمِ اسباب میں قیامِ پاکستان کے لئے کوشش اور سعی و جہد کا سہرا مسلم لیگ کے سر نہیں ہے ــــــ

اسی طرح میری ایک اور تقریر کی بھی بالکل غلط اخباری رپورٹنگ ہوئی ہے۔ میں نے ایک مکمل اور ہمہ گیر انقلابی عمل کے لئے کامل مثال کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کو پیش کیا تھا۔ اور اس کے بعض مراحل کے لئے بطور مثال گاندھی کی عدم تشدد کی پالیسی یا سکھوں نے اپنے گوردواروں کا کنٹرول حاصل کرنے کے لئے جو "پُرامن" تحریک چلائی تھی ان کی مثال دی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی ہے کہ کچھ لوگ اپنے مخصوص اور مذموم مقاصد کے لئے جو غلط رپورٹنگ کرتے ہیں اس کو اساس بنا کر اچھے بھلے سنجیدہ اور ذمہ دار حضرات بھی تحریر و تقریر میں تنقید شروع کر دیتے ہیں۔ بہرحال اس معاملے میں بھی میں چاہتا ہوں کہ ریکارڈ درست کر لیا جائے۔ میرے نزدیک پوری نوعِ انسانی کے لئے بالعموم اور ہم مسلمانوں کے لئے بالخصوص اسوۂ کاملہ صرف اور صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

[illegible]

مظاہر ہمیں کہیں کہیں غیر مسلم اقوام میں بھی نظر آجاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال مرحوم

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو　　زانکہ از خاکش بروید آرزو !
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست　　یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

میں اس وقت بیرونِ ملک کے سفر کے لئے پابرکاب ہوں اور یہ چند سطور عجلت میں تحریر کر دی ہیں تاکہ جو لوگ اس کے باوجود غلط فہمیاں پھیلاتے ہی میں مصلحت رکھتے ہوں ان کو چھوڑ کر کم از کم وہ حضرات ضرور اپنی غلط فہمی دور کر لیں جن کو صرف غلط اخباری رپورٹنگ سے مغالطہ لاحق ہوا ہو۔

خاکسار،

اسرار احمد عفی عنہ

شالیمار ہوٹل راولپنڈی ۱۹؍ اگست ۸۲ء

ہمارے ملک میں مغرب زدہ مراعات یافتہ اور تجدد و اباحیت پسند مٹھی بھر خواتین کے طبقے میں بیگم اصغری رحیم صاحبہ کا نام بہت نمایاں ہے۔ موصوفہ اپوا کی بانی رکن کہلاتی ہیں اور اب "انجمن تحفظ خواتین" کے کسی اہم عہدے پر فائز ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں کسی ہفت روزہ کو ایک انٹرویو دیا ہے جس کے حوالے سے روزنامہ جنگ لاہور کی ۲۵ اگست کی اشاعت میں ان سے منسوب یہ بات شائع ہوئی ہے کہ "میں ڈاکٹر اسرار احمد کو چیلنج کرتی ہوں کہ وہ مسجد کے علاوہ جہاں چاہیں مجھ سے مناظرہ کر لیں"۔ اس بیان سے یہ تو ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ کس امر پر مناظرہ کرنا چاہتی ہیں! آیا اس بات پر کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن و سنت کے مطابق ستر و حجاب کے مسئلہ پر جو اظہارِ خیال کیا ہے وہ قرآن و سنت کے احکام نہیں بلکہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے اپنے خیالات ہیں یا اس بات پر مناظرہ کرنا چاہتی ہیں کہ ڈاکٹر صاحب از روئے قرآن عورت کا اصل اور حقیقی مقام اس کا گھر قرار دیتے ہیں اور کسی طور پر بھی عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی صورت کو خلافِ دین سمجھتے ہیں ـــــ جہاں تک مناظرہ کے چیلنج کے جواب کا تعلق ہے تو اس کا جواب تو ڈاکٹر صاحب ہی دے سکیں گے جو ۱۹ اگست کو تقریباً ڈیڑھ ماہ کیلئے شمالی امریکہ کے دعوتی دورے پر تشریف لے گئے ہیں۔ واپسی پر وہ یہ چیلنج قبول کرتے ہیں یا قرآن حکیم کے فرمان "اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما" پر عمل پیرا

ہوتے ہیں۔ البتہ اس موقع پر ہم بیگم صاحبہ کی خدمت میں یہ ضرور عرض کریں گے کہ ایک خاتون کے لئے جو تعلیم یافتہ ہونے کی مدعیہ ہو، معقول رویہ تو یہ ہے کہ چیلنج بازی کے بجائے وہ معروضی طور پر یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ جس دین سے وہ اپنا تعلق قائم کئے ہوئے ہیں اس میں ستر و حجاب کے احکام موجود ہیں کہ نہیں۔ اس ضمن میں وہ خود بھی مطالعہ کر سکتی ہیں اور اگر افہام و تفہیم پیش نظر ہو تو بحمد اللہ ملک میں متعدد دار العلوم دینیہ، دار الافتاء اور بے شمار علماء کرام موجود ہیں ان سے استفسار کریں کہ ستر و حجاب کے احکام فی الواقع دین میں موجود ہیں یا نہیں؟ اگر ان کے جوابات بھی اثبات میں ہوں جو یقیناً اثبات ہی میں ہوں گے تو ایک تعلیم یافتہ خاتون کا معقول رویہ یہ ہونا چاہئے کہ یا تو وہ دین کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دے لیکن اگر اس کا فکر و نظر اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو پھر اس دین سے جس پر اس کا دل نہیں ٹھکتا، قطع تعلق کر کے اپنی زندگی کے لئے وہ مسلک اختیار کرے جس پر اس کا دل ٹھکتا ہو۔ بطور نصیحت کے ہم بیگم صاحبہ کی خدمت میں عرض کریں گے کہ انہوں نے جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے وہ سراسر منافقت ہی نہیں بلکہ دین سے بغاوت ہے۔ کیونکہ اسی انٹرویو کے حوالے سے روزنامہ جنگ میں ان کا یہ جملہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ "جب میری شادی ہوئی تھی تو سخت پردے کا رواج تھا۔ مگر میرے شوہر ڈاکٹر عبد الرحیم پردے کے سخت مخالف تھے اور ولیمے کے دن ہی ڈاکٹر صاحب نے مجھے بے پردہ کر دیا" ______ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوفہ کے لئے قرآن و سنت کے احکام کوئی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان کے نزدیک اہمیت والی چیز شوہر کی خوشنودی اور مغرب زدہ خواتین کی تقلید ہی اصل حجت ہیں ______ رہا یہ سوال کہ ڈاکٹر اسرار احمد کسی حال میں بھی خواتین کو گھر سے نکلنے کی اجازت کے روادار نہیں ہیں تو یہ ڈاکٹر صاحب پر صریح اتہام ہے جب قرآن و حدیث ضرورت کے موقع پر خواتین کو گھر سے نکلنے کی اجازت دیتی ہے تو ڈاکٹر اسرار احمد کون ہوتے ہیں اس پر پابندی لگانے والے! ضرورت کے مطابق عورت کے باہر نکلنے کے احکام سورۃ احزاب کی آیت ۵۹ میں موجود ہیں۔ نیز صحیح بخاری میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا:

قَدْ اَذِنَ اللّٰهُ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ	اللہ تعالیٰ نے تم (عورتوں) کو اجازت
لِحَوَائِجِكُنَّ	دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لئے

گھر سے نکل سکتی ہو۔"

چنانچہ اس آیت مبارکہ اور حدیث شریف کی روشنی میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے "اسلام میں عورت کا مقام" کے موضوع پر تقریر کی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت کے تحت ستر و حجاب کے احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورت گھر سے نکل سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا تھا کہ: "ضرورت کا تعین اسلامی تعلیمات کے مجموعی مزاج کو سامنے رکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی خاتون کے گھر میں کوئی کمانے والا موجود نہ ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ عیالداری اور قلت معاش کی وجہ سے صرف مرد کی محنت و مزدوری گھر کی کفالت کے لئے کفایت نہ کرے یا محافظ خاندان کی بیماری یا کسی معذوری کی وجہ سے عورت باہر کام کرنے کے لئے مجبور ہو جائے تو شریعت نے اس کی گنجائش رکھی ہے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے جو ابھی میں نے آپ کو سنائی لیکن باہر نکلنے کے لئے ان تمام پابندیوں کو ملحوظ رکھنا ہوگا جو شریعت نے عائد کی ہیں۔ ویسے ایک حقیقی اسلامی ریاست میں ایسی صورت حال میں ایسے خاندان کی پوری کفالت بیت المال کے ذمہ ہوتی ہے لیکن اگر ملک کی معیشت اس بات کی مقتضی ہو کہ عورتیں بھی اس میں ہاتھ بٹائیں تو ریاست کی طرف سے ایسے اقدامات کئے جانے چاہئیں کہ گھروں پر Cottage Industries کی طرز پر صنعت و حرفت کا نظام قائم ہو۔ بہت سے ترقی یافتہ ممالک بالخصوص جاپان سوئٹزرلینڈ میں یہ تجربہ کافی کامیاب رہا۔ اگر عورت کو معاش کے لئے گھر سے نکلنا ہی پڑے تو وہ ستر و حجاب کے تمام احکام کی پابندی کرے۔ گھر سے باہر جلباب یا برقعے میں نکلے۔ اور ایسے اداروں میں کام کرے جہاں عورتیں ہی کارکن اور منتظم ہوں۔ عورتوں کا مخلوط اداروں میں کام کرنے یا ٹی وی اور ریڈیو میں اناؤنسر یا اخبارات اور ٹی وی میں اشتہارات کا ماڈل یا ائیر ہوسٹس بننے یا اسی نوع کے دوسرے ایسے پیشے اختیار کرنے کا معاملہ جن میں مردوں سے براہ راست سابقہ آتا ہو اور وہ ان کے لئے مرد وس نظر بنتی ہوں از روئے اسلام مسلم خواتین کے لئے قطعی ناجائز بلکہ حرام کے درجے میں ہے" ــــــ یہ پوری تقریر ماہنامہ 'میثاق' کی مئی کی اشاعت خصوصی میں شائع ہو چکی ہے اور بصراحت تو اس انٹرویو میں بھی موجود تھی جو اس سارے بحث و مباحثے کا باعث بنا

لہٰذا بیگم رحیم کا یہ محض اپنا مفروضہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد کسی حال میں بھی عورت کے گھر سے نکلنے کو گوارا نہیں کرتے ــــــ اسی انٹرویو میں بیگم اصغری رحیم صاحبہ سے یہ بات بھی منسوب کی گئی ہے کہ "ڈاکٹر اسرار احمد کا کہنا کہ جو عورت بے پردہ نظر آئے اس کے ساتھ جسمانی زیادتی

ناجائز نہیں کتنا خوفناک اقدام ہے انہوں نے کہا یہ ٹھیک ہے کہ بڑے گھرانے کی گاڑیوں میں پھرنے والیوں کے ساتھ تو زیادتی کرنے کی کوئی ہمت نہیں کر سکتا۔ مگر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اس فتوے کے بعد ہماری جو بچیاں ملازمت کے لئے یا اسکول کالج جانے کے لئے فٹ پاتھوں پر کھڑی ہوتی ہیں۔ کیا اس جنونیت کا شکار نہیں ہو سکتیں" ـــــ ڈاکٹر صاحب نے ہرگز ہرگز یہ بات نہ کسی تقریر میں کہی ہے نہ تحریر میں لکھی ہے۔ یہ بات بالکل من گھڑت اور بیگم صاحبہ کے اپنے ذہن کی اختراع ہے۔ مزید براں جب سے ستر و حجاب کا مسئلہ اخبارات میں چھڑا ہے اس وقت سے تا ہنوز ڈاکٹر صاحب کی طرف بہت سی غلط سلط باتیں منسوب کرنے والوں میں سے بھی کسی نے یہ بات ان کی طرف منسوب نہیں کی ہے۔ لہٰذا یہ خالص بہتان و افترا ہے ـــــ شاید بیگم صاحبہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ بہتان و افتراء ہمارے دین میں گناہ کبیرہ میں شمار ہوتے ہیں اور ایک حدیث کی رو سے تو بہتان و افترا کی شناعت غیبت سے بھی زیادہ ہے۔ بیگم صاحبہ کے لئے اغلباً دین کی بات مشکل سے ہی قابل قبول ہو چونکہ ان کا جو ذہن اب تک سامنے آیا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ احکام شریعت کو کوئی وقعت نہیں دیتیں۔ لہٰذا ان کی خدمت میں عرض ہے کہ دنیا میں عام انسانی اخلاقیات کے فلسفے کی رو سے بھی بہتان و افترا انتہائی برائی (EVIL) قرار دی جاتی ہے۔ کاش بیگم صاحبہ جیسی تعلیمیافتہ خاتون کم از کم عام انسانی اخلاقیات کی پاسداری ہی کا لحاظ رکھیں۔

قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ ۸۸ء کے رمضان المبارک میں ڈاکٹر صاحب نے روزانہ ٹیلیویژن پر "الکتاب" کے عنوان کے تحت دس بارہ منٹ کی تقریر میں ایک ایک پارے کی انتہائی مختصر تشریح کی تھی۔ یہی پروگرام ۸۹ء کے رمضان المبارک میں نشر کیا گیا تھا ـــــ یہ تقاریر "تعارف الکتاب" کے عنوان سے قسط وار ماہنامہ میثاق میں شائع ہوئی تھیں اور یہ سلسلہ جولائی کے شمارہ میں پہنچ چکا ہے۔ مزید براں یہ تمام تقاریر ایک مجلّے "الکتاب" کے نام سے ٹیلیویژن بھی شائع کر چکا ہے۔ ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ میں "رسولِ کامل" کے عنوان سے ٹیلیویژن پر ڈاکٹر صاحب کی تقاریر نشر ہوئی تھیں۔ چنانچہ اسی سلسلے کی دسویں تقریر اس شمارے میں شائع ہو رہی ہے۔ اس ضمن میں دو تقاریر کی اشاعت باقی ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ اس کے اختتام کے بعد ڈاکٹر صاحب کی وہ انتیس (۲۹) تقاریر کی قسط وار اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جائے جو "الٓمٓ" کے عنوان سے حروف مقطعات والی سورتوں میں سے ہر ایک سورۃ کی تشریح ۸۰ء کے رمضان المبارک میں روزانہ نشر ہوئی تھی

بلتستان کے دورے کی رپورٹ کی دوسری اور آخری قسط میاں، قاضی خبیب عبدالقادر سلمہٗ، کے قلم سے اسی شمارے میں قارئین کی نظر سے گذرے گی۔ اس دورے میں ڈاکٹر صاحب نے خپلو کے مقام پر ایک جلسہ عام کو بھی خطاب کیا تھا۔ موصوف کی اس تقریر پر بلتستان کے مشہور و معروف شیعہ عالم جناب سید علی صاحب مدظلہٗ العالی نے جن جذبات و خیالات کا اظہار فرمایا تھا، وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ حسب وعدہ اس شمارے میں علیحدہ سے شامل ہیں امید ہے کہ قارئین کرام اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں گے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امسال ۱۹ اگست کو ڈیڑھ ماہ سے زائد عرصے کے لئے امریکہ اور کینیڈا کے دعوتی دورے پر تشریف لے گئے ہیں۔ اس مرتبہ محترم قاضی عبدالقادر صاحب قیم تنظیم اسلامی اور عزیزم ڈاکٹر عارف رشید سلمہٗ، ڈاکٹر صاحب کے ساتھ عازم سفر ہوئے ہیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب کا چوتھا دورہ ہے۔ اس مرتبہ یہ پروگرام بنایا گیا ہے کہ شمالی امریکہ میں دروس و خطابات کے علاوہ ایک ہفت روزہ قرآنی تربیت گاہ کا انعقاد عمل میں لایا جائے، جس میں درس قرآن، درس حدیث اور دعوت رجوع الی القرآن، نیز تحریک تجدید ایمان ـــــ توبہ۔ تجدید عہد۔ کے سلسلے میں چند ضروری کتب کا اجتماعی مطالعہ اور تدریس ہوگی۔ یہ تربیت گاہ شکاگو کے مضافات میں منعقد ہوگی۔ توقع ہے کہ اس طرح انشاءاللہ العزیز بہتر نتائج نکلیں گے ـــــ امید ہے کہ قاضی صاحب موصوف اس دورے کا اپنے خصوصی انداز میں "رپورتاژ" بھی ضرور قلمبند فرمائیں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے جس وضاحتی بیان کا ذکر اس عرض احوال میں آیا ہے وہ بیان ۲۶ اگست کو معاصر روزنامہ جنگ لاہور میں بھی شائع ہوگیا ہے۔ چونکہ یہ "عرض احوال" اس اشاعت سے قبل تحریر کیا گیا تھا۔ لہٰذا اس موضوع پر گفتگو کے دوران روزنامہ جنگ کا ذکر نہیں آیا تھا۔

جمیل الرحمٰن
۲۸-۸-۸۴

نشری تقریر
ڈاکٹر اسرار احمد

درسِ قرآن

سُورۃ ابراھیم آیات ۲۸ تا ۳۰

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اَمّابعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
"اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا وَّاَحَلُّوْا
قَوْمَھُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَھَنَّمَ یَصْلَوْنَھَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝
وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِہٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا
فَاِنَّ مَصِیْرَکُمْ اِلَی النَّارِ ۝ صدق اللّٰہ العظیم۔

یہ سُورۃ ابراہیم کی آیات ۲۸ تا ۳۰ ہیں اور ان کا ترجمہ یہ ہے: کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا جنہوں نے اللہ کی نعمت کا بدلہ ناشکری سے دیا۔ اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں جا اتارا۔ یعنی جہنم میں جس میں وہ داخل ہوں گے اور کیا ہی بُرا ہے وہ ٹھکانا ۔ اور انہوں نے اللہ کے کچھ مدمقابل گھڑ لئے تاکہ اُس کے راستے سے بھٹکا سکیں ۔ ان سے کہہ دو، چندے عیش کر لو، بالآخر تو تمہیں جہنم ہی میں جانا ہے!" ـــــ ترجمہ ختم ہوا ـــــ

ان آیاتِ مبارکہ میں شرک اور اہل شرک کے بارے میں بعض نہایت اہم اور بنیادی حقیقتیں بیان ہوئی ہیں ـــــ

اوّلین یہ کہ توحید کی اصل بنیاد اللہ تعالےٰ کا شکر ہے اور شرک کی جڑ ناشکری ہے۔ جیسے کہ سورۃ لقمان میں ارشاد ہوا کہ "ولقد اٰتینا لقمان الحکمۃ ان اشکر للّٰہ ومن یشکر فانما یشکر لنفسہٖ ومن کفر فان اللّٰہ غنیٌّ حمید ۝ واذ قال لقمٰن لابنہٖ وھو یعظہٗ یٰبُنَیَّ لا تشرک باللّٰہ ان الشرک لظلمٌ عظیمٌ ۝" ـــــ "اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا فرمائی کہ کر شکر اللہ کا ـــــ اور جو (اللہ کا) شکر کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو کرتا

ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ تو ہے ہی غنی اور حمیدہ ۵ اور یاد کرو جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے سے اور وہ اسے نصیحت کر رہے تھے - کہ اے میرے بچے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجیو، بے شک، شرک بہت بڑی ناانصافی ہے!" ـــ اسی طرح یہاں فرمایا: "کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر (بجائے شکر کے) ناشکری کی روش اختیار کی" ـــ گویا اصل میں یہی کفرانِ نعمت ہے جو شرک اور کفر کی راہ ہموار کرتا ہے! ـــ

دوسری اور اہم ترین حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ کفر اور شرک کا فروغ اس لئے نہیں ہوتا کہ یہ مطابق فطرت ہے بلکہ اس لئے ہوتا ہے کہ کچھ ہوشیار اور چالاک اور مفاد پرست عناصر اپنے ناجائز مصالح و منافع کے پیش نظر سادہ لوح عوام کو بے وقوف بناتے ہیں اور ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اور انہیں توہمات میں مبتلا کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں - اور اس طرح اپنی سیادت و قیادت کی گدّیوں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں خواہ اس طرح اپنے ساتھ پوری قوم کو بھی جہنم ہی میں جا اتاریں ـــ یہ بات قرآن مجید میں بھی بہت سے مواقع پر اور متعدّد اسالیب سے آئی ہے اور خود تاریخِ انسانی بھی اس پر شاہدِ عادل ہے ـــ چنانچہ قرآن مجید کی مکّی سورتوں میں بار بار یہ بات آتی ہے کہ حضراتِ انبیاء و رسُل کی مخالفت میں ان کی قوموں کے سردار اور چوہدری ہی پیش پیش رہے جنہیں قرآن "ملاء" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے چنانچہ صرف ایک سورۃ اعراف میں اس حقیقت کا ذکر سات مرتبہ آیا ہے کہیں "قال الملأ من قومہ" کے الفاظ میں کہیں "قال الملأ الذین کفروا" کے الفاظ میں اور کہیں "قال الملأ الذین استکبروا" کے الفاظ میں ـــ انہی طبقات کو قرآن مجید بعض مقامات پر "مترفین" کے لفظ سے تعبیر فرماتا ہے یعنی دولت مند اور خوشحال لوگ جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں میں سے اپنے حق سے زائد وصول کرتے ہیں اور اس کے لئے نت نئے توہمات کا جال پھیلا کر عوام کو اس میں گرفتار کئے رکھتے ہیں تاکہ وہ اصل حقائق کی جانب متوجہ ہی نہ ہو سکیں ـــ اور اس طرح پوری پوری قوموں کی ابدی ہلاکت و بربادی کا سبب بن جاتے ہیں ـــ تاریخی اعتبار سے بھی ثابت ہے کہ جن جن

معاشروں میں شرک ایک باقاعدہ نظام کی حیثیت سے رائج رہا ہے وہاں یہی صورت رہی ہے کہ ایک جانب تو حکمرانوں نے عوام کی گردنوں پر اپنی خدائی کا تخت جمایا۔ اور یا تو اپنے لئے خدائی اختیارات کا دعویٰ کیا جیسے یورپ اور انگلستان میں جہاں "Divine Rights of King" کا دعویٰ کیا گیا اور مصر اور ہندوستان میں جہاں بادشاہوں نے دیوتاؤں کے ساتھ نسلی و نسبی تعلق کے دعوے کی بنیاد پر خدائی اختیارات پر قبضہ جمایا۔ چنانچہ ہندوستان کے حکمران خاندان سورج نسبی یا چندر نسبی کہلاتے تھے — اور دوسری طرف پجاریوں اور پروہتوں نے فرضی دیوتاؤں کے نام پر استھان بناتے اور لوگوں سے چڑھاوے اور نذرانے وصول کرنے کا سامان پیدا کیا۔ یا کچھ مذہبی ٹھیکیداروں نے خدا کی نمائندگی کے دعوے کی بنیاد پر حلت و حرمت کے اختیار سنبھال لئے اور معافی ناموں کی فروخت کے ذریعے دولت کمائی۔ اس طرح عوام الناس کا خون چوسنے اور ان کے گاڑھے پسینے کی کمائی میں سے ناجائز حصہ وصول کرنے کا یہ دوطرفہ نظام چلتا رہا اس شان کے ساتھ کہ دونوں طبقات ایک دوسرے کے ممد و معاون بنے رہے اور "من تراحاجی بگویم تو مرا ملا بگو!" کے مصداق ایک دوسرے کو اعلیٰ ترین القابات و خطابات سے نوازتے ہوئے "نصفٌ لی و نصفٌ لک وھٰذا قومٌ جاھلون" کے اصول پر انہوں نے عوام کے استحصال کے لئے ایک ناپاک گٹھ جوڑ قائم کئے رکھا!! —

چنانچہ یہی ہے وہ تیسری عظیم حقیقت جو ان آیات میں سامنے آتی ہے کہ اللہ کے لئے جو شریک اور ساجھی اور خیالی ضد و نِدّ ان مذموم مقاصد کے لئے باقاعدہ گھڑے جاتے رہے ہیں اور ان کی باضابطہ تصنیف ہوتی رہی ہے۔ ورنہ ان کی نہ کوئی اصل عقل و فطرت میں ہے نہ کوئی سند اللہ کی جانب سے نازل کی گئی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر مختلف پیرایوں میں بیان فرمایا ہے مثلاً سورۃ النجم میں فرمایا: "اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ" — یعنی "یہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباءُ اجداد نے رکھ لئے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہرگز کوئی سند نہیں اتاری" سورۃ لقمان اور سورۃ عنکبوت میں فرمایا کہ

اگر تمہارے والدین تم سے جھگڑیں اور تمہیں مجبور کریں" اِن تشرک بی مالیس لک بہ علمٌ فلا تطعھما" ـــ کہ تو شریک ٹھہرائے میرے ساتھ ایسی خیالی و جعلی ہستیوں کو جن کے لئے کوئی علم تیرے پاس نہیں ہے تو اُن کا کہنا مت مان یعنی ان کے لیئے کوئی دلیل عقلی ہے نہ علمی! ـــ پھر یہ کہ یہ تمام جعلسازی کسی مغالطے کی بنا پر نہیں ہوتی اچھی طرح جانتے بوجھتے اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس مقصد سے کی جاتی ہے کہ عوام کو گمراہ کیا جائے ـ جس کے لئے آیاتِ زیرِ درس میں الفاظ وارد ہوئے ہیں "لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ" ـــ

آخری عظیم حقیقت یہ کہ اس ساری جعلسازی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ متاعِ دُنیا سے بڑھ چڑھ کر حصہ حاصل کیا جائے ، سازو سامان دینوی زیادہ سے زیادہ جمع کر لیا جائے اور حیاتِ دنیوی کی لذتوں اور آسائشوں سے بیش از بیش لطف اندوز ہوا جائے ـ چنانچہ آیت نمبر ۳ کے آخری حصے میں بڑے عبرت ناک پیرائے میں کہہ دیا گیا کہ "قُلْ تَمَتَّعُوْا" یعنی اے نبیؐ ، ان سے کہہ دیجئے کہ اٹھا لو چند روزہ زندگی کے مزے اور لوٹ لو اس عارضی زندگی کا عیش و آرام ـــ "فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ" ـــ اس لئے کہ بالآخر تو تمہیں جہنم ہی میں جھونکے جانا ہے!! ـ اس میں جہاں اُن کے دردناک انجام کی "بشارت" آگئی وہاں اس عظیم حقیقت پر سے بھی پردہ اٹھا دیا گیا کہ اس حیاتِ دنیوی کے لئے اللہ تعالیٰ کا ضابطہ اور قانون یہی ہے کہ چونکہ اس نے انسان کو ارادے اور اختیار کی آزادی بخشی ہے لہٰذا یہاں نہ صرف یہ کہ کفار و مشرکین کی فوری پکڑ نہیں ہوتی بلکہ جس "متاعِ غرور" کا سودا وہ کرتے ہیں اور آخرت کی ابدی زندگی کے عوض دنیا کی چار روزہ زندگی کا جو عیش و آرام وہ خریدتے ہیں اُس کے معاملے میں اُن کے ساتھ بخل نہیں برتا جاتا بلکہ انہیں اس میں سے حصہ وافر عطا فرما دیا جاتا ہے ـ جیسے کہ فرمایا سورۂ ہود کی آیات نمبر ۱۵ میں کہ "مَن كان يريد الحيٰوة الدنيا و زينتها نوفِّ اليهم اعمالهم فيها وهم فيها لا يبخسون ٥" یعنی "جو کوئی اپنا مقصود و مطلوب قرار دیتا ہے دُنیا کی زندگی اور اس کی زیبائشوں اور آرائشوں کو تو ہم اس کی سعی و جہد کا بھرپور بدلہ اسی دُنیا میں دیدیتے ہیں اور اس کے ضمن میں ان کے ساتھ کوئی کمی

نہیں کی جاتی " اور جیسے فرمایا سورہ شوریٰ میں " وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ " یعنی " جو دنیا کی کھیتی ہی کا طالب بنتا ہے تو اسے ہم اس میں سے عطا کر دیتے ہیں، البتہ پھر اُس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں رہتا!" ـــــ " فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ " یعنی " آخرت کے مقابلے میں دنیا کا مال و متاع بالکل کچھ نہ ہونے کے حکم میں ہے!" بقول علامہ اقبال ـــــ ؎

یہ مال و دولتِ دُنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں ـــــ لا الٰہ الا اللہ!!

اللہ تعالیٰ ہمیں شرک کی جملہ اقسام سے بچنے اور دُنیا پرستی کے جال میں پھنسنے سے بچائے آمین ـ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ـ

تنظیمِ اسلامی کی مرکزی مجلسِ مشاورت کے فیصلہ کے مطابق

سالانہ مرکزی تربیت گاہ

قرآن اکیڈمی لاہور میں ۱۲ر نومبر تا ۱۸ر نومبر ۸۲ع
(جمعہ تا جمعرات) منعقد ہوگی (ان شاء اللہ العزیز)

رفقاءِ تنظیم نوٹ فرمالیں کہ اس میں اُن کی شرکت لازمی ہو گی اِلّا یہ کہ کوئی واقعی عذرِ شرعی لاحق ہو ـ

المعلن: قیم تنظیمِ اسلامی

اظہار لمیٹڈ کی

تیار چھتیں

پریکاسٹ پریسٹریسڈ کنکریٹ کے گارڈر سلیب وغیرہ

معلومات اور خریداری کے لیے رجوع فرمائیں

صدر دفتر

٦ کوثر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون :- ٦٩٥٢٢ - ٦١٥١٤

فیکٹریوں کے دفاتر

- ٢٥ کلومیٹر شیخوپورہ روڈ۔ لاہور
- ١٦ کلومیٹر خانیوال روڈ، ملتان
- جی ٹی روڈ کھاریاں، نزد گجرات
- جی ٹی روڈ سواں کیمپ راولپنڈی فون :- ٦٨١٢٧

سیلز ڈپو

- فیروز پور روڈ نزد جامع اشرفیہ لاہور فون :- ٤١٣٥٦٩
- شیخوپورہ روڈ نزد نیشنل ہوزری فیصل آباد فون ٥٠٦٢٦
- معصوم شاہ روڈ ملتان شہر

بااختیار تیارکنندگان

مختار سنز لمیٹڈ، پنجاب پریکاسٹنگ لمیٹڈ

کنکریٹ پریکاسٹنگ لمیٹڈ

مولانا مودودیؒ مرحوم اور میں

قسطِ اوّل:

مولانا کی آخری علالت اور سفرِ آخرت

اور میرے پہلے سفرِ امریکہ کے

بعض حالات و واقعات

خصوصاً

مولانا کی آخری زیارت اور نمازِ جنازہ میں شمولیت

کی سعادت!

از

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ آج سے ٹھیک تین سال قبل کا ذکر ہے۔

اگست ۱۹۷۹ء کا وسط تھا اور رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ کا آخری عشرہ شروع ہونے والا تھا جب میرے پہلے سفرِ امریکہ کی تیاری مکمل ہوئی۔ اور اُمید واثق ہوئی کہ اگر کوئی نادیدہ رکاوٹ پیش نہ آگئی تو میں ہفتہ عشرہ میں بالٹی مور پہنچ جاؤں گا۔ اندریں حالات ایک روز اچانک ایک خیال ذہن میں بجلی کی طرح کوندا —— آج کل مولانا مودودی بھی امریکہ ہی میں مقیم ہیں۔ کاش کہ وہاں اُن سے ملاقات کی صورت نکل آئے!' اس وقت تک امریکہ کے جغرافیے کے بارے میں میری معلومات بس موٹی موٹی باتوں تک ہی محدود تھیں اور اُس کی ریاستوں اور شہروں کے محل وقوع کے بارے میں تفصیلی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں لہٰذا کچھ اندازہ نہ تھا کہ میرا امریکہ کے جن جن شہروں میں جانے کا پروگرام تھا، بفلو جہاں مولانا کا قیام تھا ان میں سے کسی کے آس پاس واقع ہے یا نہیں اور وہاں بآسانی جانا ممکن ہو گا یا نہیں، تاہم ایک خواہش تھی جو مسلسل زور پکڑتی چلی گئی یہاں تک کہ اُس نے 'ارادے' کی صورت اختیار کر لی کہ حتی الامکان اس سفر کے دوران مولانا سے ملاقات کی کوشش کرونگا —— اس پر فطری طور پر بہت سی بھولی بسری باتیں بھی ذہن میں تازہ ہوئیں اور بہت سے سوئے ہوئے جذبات و احساسات بھی از سرِ نو بیدار ہوئے اور فی الجملہ قلب و ذہن پر اُس کیفیت کا تسلط سا ہو گیا جو اس شعر میں بیان ہوئی ہے کہ ؎

”ترکِ تعلقات بھی عین تعلقات ہے — آگ بجھی ہوئی نہ جان آگ دبی ہوئی سمجھ!“

ان کیفیات میں جب کبھی یہ خیال آتا تھا کہ مولانا سے یہ ملاقات پورے سوا سترہ سال بعد ہو گی تو ایک عجیب سی حسرت آمیز مسرت کا احساس ہوتا تھا جس کی تعبیر الفاظ کے ذریعے ممکن نہیں۔

یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایک ہی ملک میں رہتے ہوئے پورے سترہ سال ملاقات کیوں نہ کی —— بلکہ پورے بارہ سال سے ایک ہی شہر میں زیادہ سے زیادہ تین

چار میل کے فاصلے پر مقیم ہوتے ہوئے بھی ملاقات کا خیال کیوں نہ آیا ــــ اور اب اچانک کرۂ ارضی کے بالکل دوسری جانب دیارِ غیر میں ملاقات کا اشتیاق اسقدر شدّت سے کیوں پیدا ہوا؟ ــــ تو اصل میں اسی سوال کا جواب ہے جو اس تحریر کے ذریعے دیا جانا مقصود ہے۔ اگرچہ اس کے لئے قارئین کو ذرا صبر سے کام لینا ہوگا۔

لاہور سے ہفتہ ۱۸ اگست ۷۹ء کی شام اور کراچی سے ۱۲ اگست کو علی الصبح ڈیڑھ بجے روانہ ہو کر میں اُسی تاریخ کی رات کو ساڑھے نو بجے امریکہ میں اپنے پہلے ’مقام‘ بالٹی مور جا پہنچا۔ اس سفر کے بعض نہایت دلچسپ واقعات میں ایک ’رودادِ سفر‘ کی صورت میں تحریر کر چکا ہوں جو ’میثاق‘ کے جنوری ۔ فروری ۸۰ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ بہرحال بالٹی مور میں مَیں نے اپنے میزبانوں سے اوّلین معلومات جو حاصل کیں وہ بفلو ہی کے بارے میں تھیں اور میرے دل کی کلی ایک دم کھل اٹھی اور اُمیدوں کے چراغ دفعۃً روشن ہو گئے جب مجھے معلوم ہوا کہ بفلو ٹورنٹو سے جہاں مجھے اپنے اس سفر کے دوران سب سے طویل قیام کرنا تھا صرف سو میل کے فاصلے پر واقع ہے اور وہاں سے بفلو آنا جانا بآسانی ایک دن میں ہو سکتا ہے۔

یکم ستمبر ۷۹ء تک بالٹی مور واشنگٹن ایریا میں قیام کے بعد، دو دن ڈلاس میں اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ کی سالانہ کنونشن کے نذر کر کے ۳ ستمبر کو ٹورنٹو پہنچا تو وہاں بھی اوّلین معلومات مولانا ہی کے بارے میں حاصل کیں تو معلوم ہوا کہ اُن کی طبیعت ناساز ہے۔ تاہم مقامی ’حلقہ احبابِ اسلامی‘ کے رفقاء[1] کا مولانا کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق سے مسلسل رابطہ قائم ہے اور ان شاء اللہ جلد ہی ملاقات کی صورت پیدا کر لی جائے گی ــــ ایک دو روز بعد معلوم ہوا کہ مولانا کی انتڑیوں کی تکلیف بڑھ گئی تھی جس کی باعث ایک بڑا اپریشن کرنا پڑا اور اب اُن سے ملاقات

---

[1] جماعتِ اسلامی کے وابستگان اور متاثرین نے معلوم کن مصلحتوں کی بنا پر امریکہ میں اپنے آپ کو جماعت کے نام سے منظّم کرنے کی بجائے ”حلقۂ احبابِ اسلامی“ کے نام سے صرف ایک ڈھیلے ڈھالے حلقہ

لگ بھگ دو ہفتے کے بعد ہی ممکن ہو گی ۔ اس سے فوری طور پر تو اُمید کے چراغ کچھ بجھتے سے محسوس ہوئے لیکن ساتھ ہی اللہ کا شکر بھی قلب کی گہرائیوں سے اُبھرا کہ ٹورنٹو میں میرے قیام کا پروگرام پہلے ہی سے دو ہفتے سے زائد طے تھا ـــــ البتہ ایک دوسری چیز جس کا ذکر بار بار سننے میں آ رہا تھا کسی قدر تشویش کی موجب بن رہی تھی اور وہ یہ کہ حلقۂ احباب کے اکثر ارکان کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر احمد فاروق بہت سخت مزاج بلکہ بدتمیز قسم کے آدمی ہیں ۔ انہیں یہ تو بالکل ہی پسند نہیں ہے ۔ کہ کوئی ان کے والد سے ملاقات کے لئے آئے ، فون پر بھی ان کا انداز بہت روکھا پھیکا بلکہ درشت اور خشونت آمیز ہوتا ہے ـــــ خود مجھے مولانا کے صاحبزادگان اور ان کے مزاج سے قطعاً کوئی واقفیت نہ تھی ۔ جماعتِ اسلامی کے مرکز واقع ۵ ۔ اے ذیلدار پارک اچھرہ میں جہاں مولانا بھی اپنے اہل وعیال سمیت مقیم تھے میری آمد و رفت زیادہ تر ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۴ء تک رہی تھی اور اُس وقت تک مولانا کے تمام صاحبزادے بہت چھوٹے تھے چنانچہ میں ان میں سے نام بھی صرف سب سے بڑے کا جانتا تھا یعنی سید عمر فاروق مودودی کا ۔ ڈاکٹر احمد فاروق مودودی کا نام پہلی بار اُس وقت سننے اور پڑھنے میں آیا تھا جب مولانا چند سال قبل بغرض علاج لندن اور امریکہ گئے تھے ۔ باقی اُن سے کوئی اور واقفیت قطعاً نہ تھی ۔ ـــــ بہر حال اس قسم کی باتوں سے دِل ڈوبتا سا محسوس ہوا کہ اگر حلقۂ احباب اسلامی، کے ارکان کے ساتھ مولانا کے صاحبزادے کا رویّہ یہ ہے تو "تا بہ من چہ می رسد" ـــــ تاہم ارادہ بہر حال یہی رہا کہ "ہرچہ بادا باد!" ملاقات کی کوشش ضرور کرونگا ـــ

اسی اثناء میں ایک روز میں ٹورنٹو کی بوسٹیڈ روڈ کی جامع مسجد میں بعد نماز مغرب قرآن مجید کا درس دے رہا تھا کہ ایک صاحب نے ایک رقعہ تھمایا جس میں تحریر تھا کہ مولانا مودودی پر عارضہ قلب کا حملہ ہوا ہے ان کے لئے دُعائے صحت کرا دیجئے! اس خبر سے خود میرے اعصاب پر شدید صدمے کا حملہ ہوا اور میں چند لمحے تو گم سُم اور بھونچکا سا رہا ۔ بعد میں اپنے حواس کو مجتمع کر کے میں نے حاضرین کو اس کی اطلاع بھی دی اور اجتماعی دعا بھی کی۔

—— تاہم پہلی بار مجھے کچھ ایسے محسوس ہوا کہ جیسے منزل عین نگاہوں کے سامنے آنے کے بعد نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہو اور میرے ساتھ "تدبیر کند بندہ ۔ تقدیر کند خندہ" والا معاملہ ہو رہا ہو۔

قیام ٹورنٹو کے دن پورے ہو گئے لیکن بفلو سے ملاقات کی اجازت موصول نہ ہوئی تو دل ڈوبنے سا لگا لیکن دفعتہً پھر اُمّید کی ایک کرن نمودار ہوئی اس لئے کہ ٹورنٹو میں میرے میزبان سمیع اللہ خان صاحب نے مانٹریال کے بعض احباب کے اصرار کی بنا پر وہاں کے سفر کا پروگرام بنا لیا ۔ یہ سفر کار کے ذریعے ہوا اور اس میں تین دن صرف ہو گئے —— واپس آئے تو تازہ ترین اطلاع یہ ملی کہ اب مولانا کی طبیعت بہت حد تک بحال ہو چکی ہے اور ان شاء اللہ زیادہ سے زیادہ دو تین روز کے بعد ملاقات کی اجازت مل جائے گی —— اِدھر بعض احباب کی تحریک پر میری ایک وزٹ (VISIT) شکاگو کی طے ہو گئی تھی اور ریزرویشن اس طرح ہوئی تھی کہ ٹورنٹو سے شکاگو جانا ہو گا اور وہاں سے براہِ راست نیویارک جہاں سے واپسی کا سفر شروع ہو جانا تھا ۔ میری خواہش پر احباب نے پورا پروگرام تبدیل کیا اور اب طے پایا کہ میں شکاگو میں دو تین دن قیام کر کے واپس ٹورنٹو آؤں اور یہاں سے بفلو جا کر احباب کی معیت میں مولانا سے ملاقات کروں اور پھر ٹورنٹو سے نیویارک روانہ ہوں —— ٹورنٹو کے احباب کے میری خوشنودی کی خاطر اتنے اہتمام پر (جس پر یقیناً پیسے کا صَرف بھی بڑھ رہا تھا) ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جمعہ ۱۲ ستمبر کی سہ پہر کو میں شکاگو روانہ ہوا۔

شکاگو کا ذکر تو اس سے قبل بہت سننے پڑھنے میں آیا تھا ، اور اکثر و بیشتر کسی اچھی بات کے ضمن میں نہیں بلکہ کسی نہ کسی بُرائی ہی کے سلسلہ میں آیا تھا۔ تاہم وہاں کسی سے کوئی ذاتی شناسائی نہ تھی ۔ ٹورنٹو میں جو احباب میرے درس میں تسلسل اور پابندی کے ساتھ شریک رہے تھے ان میں سے ایک صاحب نے خود ہی خفیہ خفیہ اپنے ایک عزیز ڈاکٹر خورشید احمد ملک صاحب کو میری آمد کی اطلاع دے کر اُن سے "دعوت" منگوا لی تھی اور اب میں صرف اُن کے نام کی واقفیت کے ساتھ شکاگو جا رہا تھا —— شکاگو کی "او ہیئر" ایرپورٹ پر جو صاحب لینے آئے تو ڈاکٹر

خورشید ملک نہیں بلکہ ڈاکٹر وصی اللہ خاں تھے ــــ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر خورشید چونکہ خود کسی آپریشن کے سلسلے میں مصروف تھے لہٰذا انہوں نے انہیں میرے استقبال پر مامور کیا ہے - جلد ہی یہ بات کھل گئی کہ یہ وہی ڈاکٹر وصی اللہ ہیں جن کا ذکر لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ کے ضمن میں جماعت وجمعیت کے حلقوں میں سننے میں آتا رہا تھا ــــ بلکہ مزید انکشاف یہ بھی ہوا کہ ہم آپس میں دور نزدیک کی قرابت بھی رکھتے ہیں ــــ یعنی ان کی والدہ صاحبہ اور میری والدہ ماجدہ دونوں ایک ہی خاندان سے ہیں ــــ بہرحال ڈاکٹر وصی اللہ خان نے مجھے تبتیں چالیس میل کا سفر اپنی کار پر طے کر کے ڈاکٹر خورشید صاحب کے مکان واقع ڈاؤنرز گرو پر پہنچایا ــ اور مجھے وہاں 'ڈراپ' کر کے وہ خود بھی فوراً اپنی کسی مصروفیت کا عذر کر کے روانہ ہو گئے ــــ اب میں تھا اور ایک خالص اجنبی ماحول لیکن جلد ہی یہ سارے حجابات دُور ہو گئے، ڈاکٹر خورشید صاحب کی والدہ صاحبہ نے جس شفقت ومحبت کا اظہار کیا اور ان کے وجود کے رونئیں رونئیں سے جس سادگی اور اخلاص کی مہک آتی اُس نے فوراً ہی ایسے محسوس کرا دیا کہ گویا میں اپنے ہی گھر میں اپنی ہی حقیقی والدہ کے زیرِ سایہ ہوں - تھوڑی دیر میں ڈاکٹر خورشید صاحب بھی آ گئے - تو اندازہ ہوا کہ "الولدُ سِرٌّ لِاَبِیہٖ" کے حق ہونے میں تو غالباً سب ہی کو اتفاق ہے لیکن یہاں اصل معاملہ "الولدُ سِرٌّ لِوالِدَتِہٖ" کا ہے' ــــ نہایت کھلے مزاج کے حامل اور خلوص واخلاص کے پیکرِ کامل! ــــ مجھے اس وقت کچھ اندازہ نہ تھا کہ آئندہ میرے سالانہ سفرِ امریکہ کا اصل باعث اسی شخص کو بننا ہے اور امریکہ سے کل کا کل تعلق ان ہی کے واسطے سے ہوگا -

بہرحال بعد نمازِ مغرب ان کے مکان پر درسِ قرآن کی نشست ہوئی جس کے کُل شرکاء نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے ــــ اور اکثر طب کے پیشے سے متعلق تھے -

اگلے روز یعنی ہفتہ ۲۲ ستمبر کی صبح کو ڈاکٹر صاحب تو پھر اپنی معالجاتی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لئے گھر سے نکل گئے - مجھے ایسے ہی خیال آیا کہ صدر ایوب خاں مرحوم کے دور کی ایک 'بدنام' علمی شخصیت ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے بارے میں سُنا تھا کہ شکاگو میں مقیم ہیں - ڈاکٹر خورشید صاحب کے اہلِ خانہ سے اُن کا ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ

قیام تو ان کا زیادہ دُور نہیں ہے (یعنی یہی کوئی چھ سات میل کے فاصلے پر ہے!) لیکن وہ کسی سے کم ہی ملتے جلتے ہیں لہٰذا ملاقات آسان نہیں ہے — میں نے توکلاً علی اللہ ان کو فون کر دیا تو حیرت ہوئی کہ وہ فوراً ہی خود آنے کے لئے تیار ہو گئے اور آدھ گھنٹے کے اندر اندر کرتے پاجامے ہی میں تشریف لائے۔ میں اُن کے بعض نظریات سے شدید اختلاف رکھنے کے باوجود اُن کی سادگی اور علمی خلوص کا پہلے سے معترف تھا اور ۱۹۶۳ء میں جو ہنگامہ اُن کے خلاف پاکستان کے مذہبی حلقوں کی جانب سے ہوا تھا اُس میں میں نے اُن کی جانب سے کچھ تھوڑی سی 'مدافعت' بھی کی تھی (جس پر مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے مجھے اپنے مجلّے 'المنبر' میں "ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نئے وکیل: ڈاکٹر اسرار احمد" کے خطاب سے نوازا تھا!) غالباً اُسی کا اثر تھا کہ کامل گوشہ گیری اور ملنے جلنے سے احتراز کے باوجود ڈاکٹر صاحب مجھ سے ملنے کے لئے اس طرح بلا تامل و تکلف چلے آئے۔

بہرحال ابھی اُن سے گفتگو کا آغاز ہوا ہی تھا کہ ڈاکٹر خورشید صاحب گھبرائے ہوئے آئے اور انہوں نے یہ رُوح فرسا خبر سنائی کہ مولانا مودودی کا انتقال ہو گیا ہے، مجھے معاً یہ خیال آیا کہ ٹورنٹو میں مولانا کی طبیعت کی بحالی کی جو خبر ملی تھی وہ دراصل اُن کا آخری 'سنبھالا' تھا جیسے بجھنے والا چراغ آخری بار ذرا دیر کے لئے بھڑک اٹھتا ہے — میرے اعصاب پر اس خبر سے بجلی سی گری اور میں گم سم سا ہو گیا - ڈاکٹر خورشید نے میرے احساسات اور جذبات کا اندازہ کرتے ہوئے فوراً سوال کر دیا "کیا آپ مولانا کے جنازے میں شرکت کرنا چاہیں گے!" جس پر میری زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے "کیا یہ ممکن ہے؟" — اس کا کوئی جواب تو ڈاکٹر صاحب نے مجھے نہ دیا البتہ فوراً ٹیلی فون کی جانب متوجہ ہو گئے اور چند ہی منٹوں میں مژدہ سُنایا: "فوراً تیار ہو جائیں ؛ حلقہ احباب اسلامی' کا ایک قافلہ فی الفور بفلو کے لئے روانہ ہو رہا ہے اور آپ کے لئے بھی اُن کے ساتھ ہی بکنگ ہو گئی ہے"۔ چنانچہ نہایت عجلت میں ایر پورٹ کے لئے روانگی ہوئی اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب بھی اسی کُرتے پاجامے میں میرے ساتھ ہی ایر پورٹ تک گئے (حالانکہ امریکی تہذیب کے اعتبار سے یہ بہت گری ہوئی حرکت

ہے۔ وہاں صرف ایک نیکر اور بنیان پہن کر توانسان پورا "ملبس" شمار ہوتا ہے۔ لیکن کرتے پاجامے والا انسان 'ننگا' قرار پاتا ہے!) راستے میں وہ مولانا کے ساتھ اپنی جوانی کے دور کے ذاتی مراسم کا ذکر کرتے رہے اور نظریات میں شدید اختلافات کے باوجود مولانا کا ذکر اچھے الفاظ میں کرتے رہے۔ ایر پورٹ پر آٹھ دس حضرات کا قافلہ موجود تھا جن میں سے کسی سے کوئی ذاتی تعارف نہ تھا، صرف بعض حضرات رات کے درس میں شریک رہے تھے ـــــ البتہ اچانک برادرم ظفرالحق انصاری نظر آئے تو محسوس ہوا کہ یہ شعر عام حالات میں تو شاید مبالغے ہی پر مبنی نظر آئے گا لیکن 'دیارِ غیر' کی حد تک بالکل مبنی برحقیقت ہے کہ اے دوست! کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا۔ بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے!" ــــ بہرحال بفلو ایر پورٹ سے باہر آئے تو معلوم ہوا کہ راستہ وغیرہ کسی کو معلوم نہیں۔ فون پر ڈاکٹر احمد فاروق سے رابطہ قائم کیا تو معلوم ہوا کہ ہمیں پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔ نماز جنازہ ہو چکی ہے۔ اور "فیونرل ہوم" (FUNERAL HOME) والے مولانا کی میت کو لینے کے لئے بس آنے ہی والے ہیں۔ اس اطلاع سے سب پر سراسیمگی سی طاری ہو گئی۔ کیا بفلو پہنچنے کے باوجود نہ مولانا کی نماز جنازہ ادا کرنے کی سعادت حاصل ہو گی۔ نہ اُن کا منہ دیکھنا ہی نصیب ہو گا؟ ــــ لیکن ڈاکٹر احمد فاروق صاحب کے گھر پہنچنے پر معلوم ہوا کہ الحمد للہ ابھی مولانا کی میت وہیں موجود ہے ــــ حالانکہ ہمیں گھر کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکنے میں خاصی تاخیر بھی ہو گئی تھی۔

میرے دل کی اس وقت جو کیفیت تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ ایک جانب شدید رنج و صدمہ اور خاص طور پر یہ حسرت کہ مولانا سے اُن کی زندگی میں ملاقات نہ ہو سکی اور جو خواہش اس قدر اچانک اور اتنی شدت سے پیدا ہوئی تھی وہ تشنۂ تکمیل رہ گئی اور وہ بھی اس شان سے کہ ؎ "قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند۔ دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا!" دوسری جانب خود مولانا کے بارے میں یہ حسرت آمیز احساس کہ "مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دُور!" ــــ یہاں امریکہ میں کتنے لوگوں کو احساس ہو گا کہ آج کون دُنیا سے اُٹھ گیا۔ یہ حادثہ اگر لاہور میں پیش آیا ہوتا تو جو کہرام پورے شہر میں مچا ہوتا اُسے چشمِ تصوّر

کے سامنے رکھتے ہوئے جب میں نے ڈاکٹر احمد فاروق کے مکان پر جمع گنتی کے چند اشخاص کو دیکھا تو دل میں درد کی ایک شدید ٹیس محسوس ہوئی، تیسرے جانب خود اپنے بارے میں ایک انجانا سا خوف تھا کہ نہ معلوم یہاں میرا استقبال کس طرح ہو۔ ذہنًا میں اس کے لئے بھی پوری طرح تیار ہو کر گیا تھا کہ ڈاکٹر احمد فاروق نہایت درشتی کے ساتھ کہہ دیں کہ "آپ اب یہاں کیا لینے آئے ہیں ؟ گھر میں داخل ہونے کی کوشش نہ کریں !" اور یوں میں باہر ہی سے بصد حسرت و یاس لوٹا دیا جاؤں !

لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ڈاکٹر احمد فاروق نے میرا استقبال نہایت شریفانہ و مہذبانہ انداز ہی میں نہیں حد درجہ ادب و احترام کے ساتھ کیا اور چھوٹتے ہی یہ الفاظ کہے ۔

> "میں نے آپ کا سلام ابّا جان کو پہنچا دیا تھا ـــــ اور یہ بھی کہ آپ ملاقات کے خواہشمند ہیں ۔ اُدھر ابّا جان بھی آپ سے ملاقات کے بہت خواہاں تھے لیکن ڈاکٹروں نے شدید پابندی لگائی ہوئی تھی کہ نہایت قریبی اعزّہ کے سوا اور کوئی ملاقات نہ کرے !"

میرے حواس نیم گم سُم تو پہلے ہی سے تھے، ڈاکٹر احمد فاروق کی زبان سے یہ الفاظ سن کر میں بالکل ہی گم سُم ہو کر رہ گیا ۔ جس پر خود انہوں نے مجھے مکان کے اندر آنے کی دعوت دی ۔ ان کے ڈرائنگ رُوم میں ایک بنچ پر مولانا کا جسد خاکی سفید برّاق کفن میں لپٹا رکھا تھا ۔ بصد حسرت و یاس اُن کا دیدار کیا اور پھر نمازِ جنازہ کے لئے صف درست کی، سب لوگوں نے باصرار مجھے ہی امامت کے لئے آگے بڑھایا ۔ جو لوگ اس سے قبل نماز ادا کر چکے تھے وہ بھی دوبارہ شریک ہو گئے لیکن اس پر بھی کل تعداد پندرہ بیس کی ہو گی ۔ (اس وقت جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ اس سے قبل صرف ایک بار نمازِ جنازہ ہوئی ہے ۔ بعد میں روزنامہ 'جسارت'، کراچی میں شائع شدہ رپورٹ سے معلوم ہوا کہ اس سے قبل دو بار نمازِ جنازہ ادا کی جا چکی تھی اور میری امامت میں جو نماز ہوئی وہ تیسری تھی ۔ واللہ اعلم!) ـــــ نماز سے فارغ ہوتے ہی تھے کہ شور مچ گیا کہ فیونرل ہوم

والے آگئے ہیں اور جلدی کر رہے ہیں ۔ واضح رہے کہ امریکی قانون کے مطابق میّت گھر پر لانے کی اجازت ہی نہیں ہوتی ۔ ہسپتال سے لاش سیدھی فیونرل ہوم یعنی "جنازہ گاہ" جاتی ہے اور وہیں غسل اور تجہیز و تکفین ہوتی ہے اور جملہ رسومات ادا کی جاتی ہیں یہ تو چونکہ احمد فاروق خود ڈاکٹر تھے ـــــ اور ایک عرصے سے بفلو میں مقیم ہونے کے باعث کافی با اثر بھی تھے لہٰذا مولانا کی میّت گھر پر آ سکی اور تجہیز و تکفین کے مراحل مولانا کی اہلیہ صاحبہ کی نگرانی میں پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ طے پا سکے۔ ـــــ یہ بات پہلے ہی عرض کی جا چکی ہے کہ 'فیونرل ہوم' والوں کو کسی سبب سے دیر ہو گئی تھی تب ہی ہم مولانا کی زیارت بھی کر سکے اور نماز جنازہ بھی ادا کر سکے ورنہ اگر وہ اپنے متعین وقت پر آ جاتے تو ہم ان سعادتوں سے بھی محروم ہی رہتے ـــــ (جیسے کہ ڈاکٹر انیس احمد برادر خورد پروفیسر خورشید احمد محروم رہے اس لئے کہ وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس وقت پہنچے جب مولانا کی میّت روانہ ہو چکی تھی) ـــــ بہرحال ڈرائنگ رُوم سے باہر فیونرل ہوم کی گاڑی تک لانے میں جو مختصر فاصلہ طے ہوا اُس میں مولانا کی میت کو کندھا دینے کی سعادت بھی حاصل ہو گئی ـــــ

اس موقع پر دو باتیں بہت اچھی مشاہدے میں آئیں : ایک یہ کہ ڈاکٹر احمد فاروق لوگوں کو مولانا کی تصویر اتارنے سے شدّت سے روک رہے تھے بلکہ ایک موقع پر ذرا سی دیر کو وہ اندر گئے تو ایک نوجوان نے جلدی سے اپنے کیمرے کا بٹن دبا دیا اور تصویر اتار لی ۔ لیکن ڈاکٹر احمد فاروق واپس آئے تو انہیں کسی طرح اس کا اندازہ ہو گیا ۔ چنانچہ انہوں نے باصرار اُن صاحب کے کیمرے سے فلم نکلوا لی اور یہ الفاظ کہے کہ " میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ ان تصویروں کا کیا کریں گے!" اس سے مجھے کسی قدر اندازہ ہوا کہ ڈاکٹر احمد فاروق کی مبیّنہ سخت مزاجی بلکہ 'بدتمیزی' کی اصل حقیقت کیا ہے ! ـــــ دوسرے اس بحث کے ضمن میں کہ مولانا کی تدفین کہاں ہو مولانا کی اہلیہ صاحبہ کی یہ رائے سامنے آئی کہ ہماری تو خواہش ہے کہ مولانا کی تدفین مدینہ منورہ میں جنّت البقیع میں ہو۔ لیکن اس ضمن میں آخری فیصلہ میاں طفیل محمد صاحب امیر جماعت اسلامی کا ہوگا اور اگر وہ ہماری

رائے سے اتفاق کریں تو سعودی عرب کی حکومت سے اس ضمن میں گفت وشنید بھی وہ خود ہی کریں !"

اسی رات کی آخری فلائٹ سے جب ہم لوگ بھاری سے دل اور خالی سے ہاتھ لئے بفلو سے واپس شکاگو جا رہے تھے تو جو کیفیات ہم سب پر طاری تھیں ان کا اندازہ ہر شخص بخوبی لگا سکتا ہے - ان کیفیات کے ساتھ ساتھ میرے ذہن میں ایک تو یہ سوال بار بار آرہا تھا کہ مولانا کی تدفین کہاں ہوگی ؟ — یہ تو مجھے یقین تھا کہ جماعتِ اسلامی پاکستان مولانا کی میت کو لازماً پاکستان ہی لے کر جائے گی - پاکستان میں میرا گمان تھا کہ اوّلاً تو کراچی کے احباب شدّت کے ساتھ چاہیں گے کہ مولانا کی تدفین وہیں ہو - پورے پاکستان میں جماعتِ اسلامی کی مضبوط ترین تنظیم بھی کراچی ہی میں ہے اور اُس کا سب سے زیادہ گہرا سیاسی اثر ورسوخ بھی وہیں ہے، کتنی ہی بار کراچی والوں نے چاہا تھا کہ جماعت کا مرکز کراچی منتقل ہو جائے لیکن بوجوہ ایسا نہ ہو سکا - میرا گمان تھا کہ اب آخری بار جماعت کراچی کی جانب سے ضرور کوشش ہوگی کہ مولانا کی آخری آرام گاہ تو وہاں بن ہی جائے — لیکن ساتھ ہی یہ یقین بھی تھا کہ ایسا ہو نہیں سکے گا اور میّت لامحالہ لاہور جائے گی —— اور وہاں کے حالات کے بارے میں اِدھر اُدھر سے جو معلومات وقتاً فوقتاً حاصل ہوتی رہی تھیں اُن کی بنا پر اندیشہ تھا کہ مولانا کے پس ماندگان اور جماعتِ اسلامی کی قیادت کے مابین لازماً رسّہ کشی ہوگی - جماعت کے ذمّہ دار حضرات چاہیں گے کہ مولانا کی تدفین 'منصورہ' میں ہو اور یہ مولانا کے صاحبزادوں کو کسی طور گوارا نہ ہوگا —— بالآخر ہوگا کیا ؟ اس کا جواب تو میرے پاس نہ تھا البتہ دل میں یہ خواہش ضرور تھی کہ یا تو مولانا کی تدفین مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مسلمانوں کے عام قبرستان میں ہو — یا اگر کوئی نمایاں جگہ مطلوب ہی ہے تو کاش کہ مولانا کو بادشاہی مسجد کے سامنے علامہ اقبال مرحوم کے پہلو میں جگہ مل جائے - اس میں جہاں ان دونوں زعماء کی فکری اور نظریاتی ہم آہنگی پیشِ نظر تھی وہاں یہ واقعہ بھی مدّنظر تھا کہ مولانا کو حیدر آباد دکن سے جانبِ پنجاب ہجرت کی دعوت دینے والے علامہ اقبال مرحوم ہی تھے ! — میرے ذہن کی یہ ساری اُدھیڑ بن اپنی جگہ پر

لیکن چند روز بعد نیو یارک میں مولانا محمد ناظم ندوی مدظلہٗ سے اور پھر لاہور واپسی پر اخبارات وغیرہ کے ذریعے جو حالات معلوم ہوئے ان کا واقعہ یہ ہے کہ کوئی سان گمان بھی مجھے اس وقت نہ تھا۔ نیویارک اور لندن کے ہوائی اڈوں پر ڈاکٹر احمد فاروق اور پروفیسر خورشید صاحب کے مابین تلخ کلامی، جماعت کی جانب سے کراچی کے کسی الیکشن کے پیش نظر میت کے پاکستان پہنچنے کے پروگرام میں تاخیر کی کوشش پر ڈاکٹر احمد فاروق کا غصہ اور پیچ و تاب، پھر لاہور میں تدفین کی جگہ کے فیصلے پر جماعتِ اسلامی کی قیادت اور مولانا کے پسماندگان کے مابین شدید کشمکش بلکہ محاذ آرائی اور باہمی تو تکار تک نوبت، اور بالآخر مولانا محمد یوسف (امیر جماعتِ اسلامی ہند) کی کوششوں سے تصفیہ ــــ اور تدفین کے بعد مولانا کے چھ صاحبزادوں کی مشترکہ پریس کانفرنس جس میں انہوں نے جماعتِ اسلامی کے ذمہ دار لوگوں پر شدید الزامات عائد کئے وغیرہ ایسے واقعات ہیں جن کا کوئی ہلکا سا اندازہ بھی مجھے اس وقت نہ تھا۔

بفلو سے شکاگو واپسی کے سفر میں میٹرک کے زمانے میں پڑھی ہوئی ایک انگریزی نظم "نغمۂ زندگی" (PSALM OF LIFE) میری یادداشت کے زیریں حصے سے رفتہ رفتہ اُبھر کر ذہن کی سطح پر تیرنے لگی۔ میں اس نظم کا ایک بند سورۃ العصر کے درس میں لفظ 'عصر' کی تشریح کے ضمن میں اردو کے اس شعر کے ساتھ ساتھ کہ

"غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی، گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی!"

پڑھا کرتا تھا ــــ یعنی

Art is long and time is fleeting
And our hearts though stout and brave

Still, like muffled drums are beating
Funeral marches to the grave

لہٰذا اس نظم کا یہ بند تو مجھے یاد تھا لیکن باقی نظم قطعاً یاد نہ تھی۔ اور بعض مواقع پر میں نے حافظے پر زور دے کر یاد کرنا چاہا تو بھی یاد نہ کر سکا تھا۔ لیکن

خود میری یادداشت کی گہرائیوں سے ابھر آئی اور پورے سفر کے دوران میرے ذہن پر چھائی رہی!

Tell me not in mournful numbers,
Life is but an empty dream.
For the soul is dead that slumbers,
And things are not what they seem

Life is real, life is earnest,
And the death is not its goal,
"Dust thou art, to dust returnest "
Was not spoken of the soul

اس کے بعد وہ بند ہے جو اوپر نقل ہوا ——— اور پھر :

Let us then be up and doing,
With a heart for any fate,
Still acheiving, still pursuing,
Learn to labour and to wait.

Lives of great men all remind us,
We can make our lives sublime,
And departing leave behind us,
Footprints on the sands of time.

Footprints, that perhaps another,
Sailing over life's solemn main,

A ship-wrecked and forlorn brother
Seeing may take heart again

الغرض ان احساسات اور کیفیات کے ساتھ بفلو سے شکاگو واپسی ہوئی۔ وہاں ۲۳ ر اور ۲۴ ر کے دو دنوں کے دوران کچھ مفصل ملاقاتوں اور کچھ درسِ قرآن کی محفلوں کے بعد ۲۵ ر کو ٹورنٹو واپس آنا ہوا۔ اگرچہ اب اس مراجعتِ ٹورنٹو کا اصل مقصد فوت ہو چکا تھا۔ تاہم چونکہ پروگرام اسی طرح بنا تھا اور میرا سامان وہیں رکھا تھا۔ لہٰذا وہاں جانا ضروری تھا۔ وہاں سے ۲۷ ر کو نیویارک واپسی ہوئی

جہاں مولانا یوسف اصلاحی (رام پور - انڈیا) کی زبانی معلوم ہوا کہ شدید ردّ وقدح اور تلخی و محاذ آرائی کے بعد بالآخر مولانا کی تدفین اُن کے مکان واقع ۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور ہی کے بیرونی پلاٹ میں ہوئی جہاں وہ کم وبیش تیس سال تک عصر اور مغرب کی نمازیں باجماعت ادا کرتے رہے تھے — اس پہ ایک عجیب سا خیال ذہن میں آیا کہ اچھرہ بھی عجیب بستی ہے، اس میں بین فیروزپور روڈ کی ایک جانب تقریباً اتنے ہی فاصلے پر علّامہ عنایت اللہ المشرقی مدفون ہیں جتنے فاصلہ پر سڑک کی دوسری جانب اب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی قبر ہے اور ذرا آگے چلیئے تو سڑک کی ایک جانب شاہ جمالؒ کا مزار ہے تو دوسری جانب تقریباً اتنے ہی فاصلے پر شاہ کمالؒ کا — اگلے روز مولانا محمد ناظم ندوی مدظلہٗ سے ملاقات کے دوران وہ حالات وواقعات علم میں آئے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے تو میں نے خود اپنے آپ میں ایک ندامت سی محسوس کی نہ معلوم کیوں!

نومبر کے پہلے ہفتے میں لاہور واپس پہنچ کر فوری اور ضروری امور سے فراغت کے فوراً بعد پہلی فرصت میں ۵ - اے ذیلدار پارک اچھرہ حاضری ہوئی - ڈاکٹر احمد فاروق واپس امریکہ جا چکے تھے - مولانا مرحوم کے باقی پانچ صاحبزادوں سے اجتماعی ملاقات، ہوئی جو بحمداللہ ہرگز "رسمی" نہ تھی - نماز مغرب کا وقت آیا تو سب نے باصرار مجھے ہی آگے بڑھایا - یہ دیکھ کر بہت اطمینان ہوا کہ مولانا کی قبر نہایت سادہ تھی اور اس کی نہ تو سطح ہی زمین سے زیادہ بلند تھی نہ ہی کسی اور تکلّف یا تصنّع کے کوئی آثار تھے — بہرحال مرقدِ سید پہ سلام و دُعا کے ساتھ دل ہی دل میں یہ شعر پڑھتے ہوئے واپسی ہوئی ؎

"آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے　　سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے!"

مولانا مودودی مرحوم کے دوسرے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق مودودی نے بفلو میں جس انداز میں میرا استقبال کیا تھا اُس کے ضمن میں احسان مندی کا گہرا نقش میرے دل پر قائم تھا - اور خیال یہ تھا کہ لاہور میں ان سے ملاقات ہوگی تو اُن

کے شکریے کا جو قرض میرے ذمّہ واجب الادا ہے ان کی خدمت میں پیش کر دونگا ــــ مزید برآں انہوں نے جو یہ الفاظ کہے تھے کہ "ابا جان بھی آپ سے ملاقات کے بہت خواہاں تھے!" تو اس وقت تو رنج و غم کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں قلبی مسرت کی ایک بجلی سی ان کے ذریعے کوند گئی تھی لیکن بعد میں ان کے ضمن میں یہ احساس رہا کہ "آنچہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب ہ" لہٰذا اُن کی بھی توثیق کی خواہش دل میں تھی چنانچہ اگلے سال جب پھر امریکہ اور کینیڈا کا سفر ہوا تو ۱۴ ستمبر ۸۰ء کو میں ٹورنٹو کے دو احباب سمیع اللہ خاں اور محمد نجم طاہر کی معیت میں بفلو حاضر ہوا - اور میری حیرانی اور احسانمندی میں مزید اضافہ ہوا کہ اس بار میرا استقبال اور بھی زیادہ گرم جوشی سے ہوا - دن کا کھانا بھی میں نے ڈاکٹر احمد فاروق مودودی ہی کے ساتھ کھایا جنہوں نے میری خاطر ہسپتال سے نصف یوم کی رخصت لے لی تھی - اس موقع پر ایک تو میں نے اُن کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور صاف بتا دیا کہ "میں تو گذشتہ سال ذہناً اس کے لئے بھی تیار ہو کر آیا تھا کہ آپ مجھے گھر میں داخل ہونے سے روک دیں لیکن جو پذیرائی آپ نے میری اس موقع پر کی اُس کے لئے حسب فرمان نبویؐ "من لم یشکر النّاس لم یشکر اللّٰہ!" جو شکریہ میرے ذمّے تھا اُس وقت تو میں اسے شدّتِ جذبات سے مغلوبیت کے باعث ادا نہ کر سکا تھا۔ اب یہ پورا سفر اُسی قرض کی ادائیگی کے لئے کیا ہے ــــ ثانیاً میں نے احبابِ ٹورنٹو کی موجودگی میں اُن سے اُن متذکرہ بالا الفاظ کی توثیق حاصل کی جواب میرے لئے سرمایۂ صد افتخار ہیں - ثالثاً تحریکِ اسلامی اور اس کے مستقبل کے بارے میں مفصّل گفتگو ہوئی تو اندازہ ہوا کہ مولانا کے صاحبزادگان میں سے کم از کم ڈاکٹر احمد فاروق بھرپور تحریکی مزاج کے حامل ہیں - لیکن بعض طالع آزما لیڈروں نے جو معاملہ اُن کے ساتھ کیا اور اوّلاً ان کے قیامِ کراچی اور وابستگیٔ جمعیت کے دوران اور پھر امریکہ میں ان کی کردار کشی کی جو مہم چلائی اُس نے اُن کے مزاج میں زہر کی تلخی بھی گھول دی ہے اور مایوسی کی تاریکی بھی! ــــ ورنہ وہ اعلیٰ دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی فہم، تحریکی شعور اور ...

سے نہایت قیمتی آدمی ہیں - میں نے ہرچند انہیں آمادہ کرنا چاہا کہ وہ پاکستان مراجعت اختیار کریں اور اپنے والدِ مرحوم کے مشن کو خود اپنے فہم و شعور کے مطابق جاری رکھنے کے لئے اپنے دوسرے بھائیوں کے تعاون سے آگے قدم بڑھائیں لیکن محسوس یہی ہوا کہ انہیں بعض مشہور و معروف حضرات سے بالکل آمنے سامنے کے تصادم (CONFRONTATION) کا شدید اندیشہ ہے جس کے باعث وہ عافیت پاکستان سے دُور رہنے ہی میں محسوس کرتے ہیں - بہرحال جو کچھ اُس روز اُن سے سننے میں آیا اُس کو جوں کا توں نقل کرنا نہ تاحال زبان کے لئے ممکن ہے نہ قلم کے لئے ـــ گویا ؎ "مصلحت نیست کہ از پردہ بروں آید راز !" والا معاملہ ہے - تاہم اسقدر کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگرچہ میں جماعتِ اسلامی کے ناقدین میں غالباً اب (بعض دوسرے بزرگوں کی مصلحت آمیز خاموشی کے باعث) سرِفہرست ہوں اور اس کوچے کا بدنام ترین فرد سمجھا جاتا ہوں لیکن بایں رسوائی و بدنامی اُن باتوں کے عشرِ عشیر کا علم تو درکنار ساں گمان تک نہیں رکھتا تھا جو اُس روز ڈاکٹر احمد فاروق مودودی کے ذریعے میرے علم میں آئیں ـــ اور جن کا ماحصل علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کو قرار دیا جا سکتا ہے کہ ؎

"خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں کہ درویشی بھی عیّاری ہے سُلطانی بھی عیّاری!"

ـــ ویسے حال ہی میں جو مقدّمہ بازی (کالعدم) جماعتِ اسلامی کے متعدّد مرکزی رہنماؤں اور مولانا مرحوم کے چوتھے صاحبزادے حسین فاروق مودودی کے مابین شروع ہوئی ہے اور جس نوع کے بیانات مولانا کے پانچویں صاحبزادے حیدر فاروق مودودی کی جانب سے اخبارات میں شائع ہوئے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید وہ وقت اب زیادہ دُور نہیں کہ

؏ "سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا !"

میرے لئے ڈاکٹر احمد فاروق مودودی کی ملاقات اور گفتگو سے حاصل شدہ معلومات کا اہم ترین پہلو یہ تھا کہ اُن جملہ اطلاعات کی توثیق ہو گئی جو مجھ تک اِدھر اُدھر سے پہنچتی رہی تھیں اور جن کے باعث دل میں شدید تمنّا پیدا ہوئی تھی کہ امریکہ میں مولانا سے ملاقات کی جائے، (اُن کا تفصیلی ذکر آئندہ آئے گا !)

بہرحال ڈاکٹر احمد فاروق مودودی سے جو ذہنی و قلبی رابطہ ان دو ملاقاتوں کے ذریعے استوار ہوا تھا اُس کی مزید تقویت اور آبیاری کے لیئے میں نے اگلے سال یعنی ۱۹۸۱ء میں امریکہ کے تیسرے سفر کے موقع پر ملاقات کی سبیل اس طرح نکالی کہ اودھر انہیں بھی دعوت دی کہ وہ نیاگرا آجائیں اور اِدھر ٹورنٹو سے میں خود بھی عزیزم عاکف سعید سلمہٗ اور دو احباب یعنی ڈاکٹر نسیم الدین اور جناب بیگ صاحب کی معیت میں منگل ۱۶ جون کو نیاگرا پہنچ گیا - جہاں اُن سے کئی گھنٹے کی ملاقات اور گفتگو رہی -

(جاری ہے)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

کے

دروس قرآن، تقاریر اور خطاباتِ جمعہ

کے کیسٹوں کی مکمل فہرست ہم سے طلب فرمائیں

مزید براں

منتخب نصاب (مکمل) کے دروس

کے کیسٹ کا سیٹ بھی دستیاب ہے

نشر القرآن کیسٹ سیریز

قرآن اکیڈمی، ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

یہ کیسٹ شائننگ ٹریڈرز، رفیع مینشن بالمقابل آرام باغ کراچی سے بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ٢٥)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

درسِ حدیث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا وصی مظہر ندوی

اخلاصِ نیّت

اَلحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ
الْاَمِیْنِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ - اَمَّا بَعْدُ -
عَنْ عُمَرَ ابْنِ الخَطَّابِؓ قَالَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلّٰی
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِامْرِیٍٔ
مَا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ
اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ مَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ
امْرَأَۃٍ یَتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ -

مکہ سے جو لوگ اپنا گھر بار اور اپنا کاروبار چھوڑ کر اللہ کے دین کیلئے مدینہ آئے تھے ظاہر ہے کہ وہ صرف اللہ کو راضی کرنے کی نیّت رکھتے تھے - مگر ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ ان میں ایک صاحب ایسے بھی تھے جو ایک عورت ام قیس سے شادی کرنے کی نیت سے مکہ چھوڑ کر مدینہ آگئے - یہ ایسی بات تھی کہ چھپی نہ رہ سکی - اور مدینہ میں اس کا چرچا ہو گیا - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ کو اپنے صحابیوں کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنایا اور ایک مختصر اور مؤثر تقریر کی آپؐ نے فرمایا :

(تمام) عمل صرف نیتوں سے ہوتے ہیں، اور آدمی کے لئے صرف وہی ہے جو اس نے نیت کی ہو - ''

مطلب یہ ہے کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے اپنے ارادے سے کرتا ہے - اس میں اس کی کوئی نہ کوئی نیت ضرور ہوتی ہے اور انسان کی روح پر عمل کا اثر نیت کے مطابق پڑتا

ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب بھی نیت کے مطابق ملتا ہے۔
حضورؐ نے مثال دے کر سمجھایا۔
"جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسُول کی طرف ہے تو اس کی ہجرت اللہ اس کے رسولؐ کے لئے ہے اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔"

قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر نیت کے بارے میں بتایا ہے۔ مثلاً ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہوا۔

لَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا	وہ نماز کے لئے کسمساتے ہوئے
وَھُمْ کُسَالٰی وَلَا یُنْفِقُوْنَ	آتے ہیں اور (اللہ کی راہ میں)
اِلَّا وَھُمْ کَارِھُوْنَ۔	خرچ کرتے ہیں تو بہت ناپسندیگی

کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔
"نیت" کی حقیقت کو نماز کی مثال سے سمجھیئے!
ایک شخص نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ لوگ اس کو نیک اور نمازی سمجھیں۔ دوسرا آدمی نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ اللہ کا حکم بجالائے۔ تیسرا آدمی نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ اس رب کا شکر ادا کرے جس نے اس کو زندگی، علم و عقل اور دنیا کی ہر نعمت دی اور پھر اس کو اپنے رسولؐ کے ذریعہ سیدھا راستہ بھی بتادیا۔

ان تینوں آدمیوں کا ظاہری عمل ایک جیسا ہے قانون کی نگاہ میں یہ سب نماز پڑھنے والے ہیں۔ لیکن ہر ایک کی نیت الگ الگ ہے۔ اس لئے ہر ایک کی نماز کا اثر بھی الگ الگ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ہر ایک سے معاملہ الگ الگ کیا جائے گا۔

اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی نیت کے بغیر اچھا عمل بھی بیکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کو ہر عمل سے پہلے اپنی نیت کو دیکھنا چاہیئے۔ اور ہر کام میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

(۲)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرَأَیْتَ رَجُلًا غَزَا یَلْتَمِسُ الْاَجْرَ وَالذِّکْرَ مَالَہٗ ؟ قَالَ لَا شَیْئَ لَہٗ - فَاَعَادَھَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَیَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - لَاشَیْئَ لَہٗ - ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ لَا یَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا کَانَ لَہٗ خَالِصًا وَّابْتُغِیَ وَجْھُہٗ -

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے پوچھا ’’ بتائیے کہ اگر کوئی آدمی اس لئے جہاد کرتا ہے کہ اس کو ثواب بھی ملے اور اس کی شہرت بھی ہو تو ایسے شخص کو کیا (ثواب) ملے گا ؟‘‘ آپؐ نے فرمایا اس کے لئے کچھ بھی (ثواب) نہیں -‘‘ پوچھنے والے نے اپنا سوال تین بار دُھرایا اور آپؐ نے ہر دفعہ یہی جواب دیا ’’ اس کے لئے کچھ بھی (ثواب) نہیں - پھر حضورؐ نے کہا ’’ اللہ تعالےٰ صرف وہ عمل قبول کرتا ہے جو صرف اسی کیلئے ہو - اور جس عمل سے صرف اسی کو چاہا گیا ہو ‘‘

جب آدمی کوئی اچھا کام کرتا ہے - لیکن اس کام کے کرنے میں اس کی نیت اللہ تعالےٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے بجائے کچھ اور ہوتی ہے - تو اس عمل سے آدمی کی رُوح کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا - اسی لئے اللہ تعالےٰ کے ہاں اس کو کوئی ثواب بھی نہیں ملتا - اور اس کی بڑی سے بڑی محنت بیکار ہو جاتی ہے ‘‘

چنانچہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری اُمت کو پہلے ہی آگاہ کر دیا ہے کہ قیامت کے دن جن لوگوں کا فیصلہ سب سے پہلے کیا جائے گا - ان میں ایک شہید، ایک عالم اور ایک سخی ہوگا - ان کو اللہ تعالےٰ اپنی نعمتیں یاد دلا کر پوچھے گا تم نے میرے لئے کیا کیا ؟ شہید کہے گا میں نے تیرے لئے اپنی جان دیدی اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا - تو نے تو صرف اس لئے جنگ کی تھی کہ تجھے بہادر کہا جائے - عالم

کہے گا میں نے اے اللہ تیرے لئے دین کا علم حاصل کیا اور لوگوں کو دین سکھانے میں اپنی عمر لگادی اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تونے اس لئے دین کا علم حاصل کیا تھا کہ لوگ تجھکو عالم کہیں۔ سخی کہے گا۔اے اللہ میں نے اپنی ساری دولت تیری رضامندی کے لئے اچھے کاموں میں خرچ کردی۔اللہ تعالیٰ جواب دیں گے۔ "تو غلط کہتا ہے تونے جو کچھ خرچ کیا اس لئے خرچ کیا کہ لوگ تجھ کو سخی کہیں۔"

پھر اللہ کے حکم سے ان سب کو ان کے منہ کے بل کھینچ کرلے جایا جائے گا۔ اور دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

اللہ میاں تو اس کام کو بھی قبول نہیں کریں گے جس کام میں اللہ میاں کو راضی کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ اور مقصد بھی ہو۔ جبھی تو جو شخص ثواب اور شہرت کے ارادے سے جہاد کریگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو کوئی ثواب نہیں دیں گے۔

ایک اور حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان ہوا ہے۔ کسی کام میں جتنے حصہ دار بنائے جائیں۔ ان سب حصہ داروں سے زیادہ میں بے نیاز ہوں۔ اس لئے جو شخص کسی کام میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی حصہ دار بناتا ہے تو میں اس کو اور اس کے ساجھے والے کام دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔"

ان سب حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر اچھے عمل کے لئے ضروری ہے کہ بندہ نیت کو ہر کھوٹ سے پاک کرے اور اپنے دل میں صرف اللہ کو راضی کرنے کا ارادہ رکھے۔

قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتا دیا ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا	ان کو یہی تو حکم دیا گیا تھا کہ وہ
اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ	اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص
حُنَفَآءَ	بنا کر اور یکسو ہو کر اسی کی بندگی کریں۔

نیّت کو خالص کرنے کا کام سب کاموں سے زیادہ مشکل ہے۔ اس کام کو آسان بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا چاہیئے اور نیکی کے ایسے کام بھی خاص طور پر سے کرنے چاہئیں جنکا علم اللہ کے سوا کسی کو نہ ہو۔

جیسے رات کے اندھیرے اور تنہائی میں تہجد کی نماز پڑھنا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سلسلہ تقاریر رسُول کامل (صلی اللہ علیہ وسلم) نمبر ۱۰

اِنقلابِ نبویؐ کی توسیع

خلافتِ فارُوقی وعثمانی

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ ۔ (النور ۵۵)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے اور ان کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بالکل بجا طور پر اس رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ خلافتِ راشدہ درحقیقت نبوتِ محمدیؐ کا تتمہ ہے علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور یہ بات اس لئے بالکل قرینِ قیاس ہے کہ نبی اکرمؐ کی جو بعثتِ عامہ ہے یعنی آپؐ کی بعثت پوری دُنیا کی طرف، تمام عالمِ انسانی کی طرف ۔ اُس کے فرائض کی تکمیل خلافتِ راشدہ کے ذریعے ہوئی ۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے جس عمل کا آغاز بنفسِ نفیس فرمادیا تھا یعنی آنحضورؐ نے اپنے دعوتی نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے ۔ پھر غزوۂ موتہ، پھر سفرِ تبوک کے مراحل درپیش ہوئے اور پھر جیش

اسامہ کی تیاری اور اس کی روانگی کے انتظام سے جس عمل کا آغاز ہوا جسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں آگے بڑھایا۔ چنانچہ مسلمانوں کی پیش قدمی شام کے ملک میں آپ کے دوران خلافت بھی کافی حد تک ہو چکی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلامی فتوحات کا سیلاب جس کو بجا طور پر تعبیر کیا علامہ اقبال نے اس طرح کہ :۔ ؎ رُکتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

یہ نقشہ عہدِ خلافت فاروقی اور عہدِ خلافت عثمانی میں ہمارے سامنے آتا ہے حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت کی مدت کل دس سال ہے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بارہ سالوں میں سے پہلے دس سالوں کی شان بالکل وہی ہے جو خلافتِ فاروقی کی تھی۔ وہی اتحاد، وہی یک جہتی، وہی ذوقِ جہاد، وہی جوشِ عمل، وہی شوقِ شہادت جو ہمیں دورِ نبویؐ میں اور عہدِ صدیقیؓ میں نظر آتا ہے۔ ان بیس سالوں کے دوران یعنی خلافت فاروقی و عثمانی میں بھی بتمام وکمال نظر آرہا ہے۔ البتہ حضرتِ عثمانؓ کے عہدِ خلافت کے آخری دو سالوں میں افتراق اور انتشار بھی ہُوا اور فتنہ و فساد کی شکل بھی سامنے آئی ہے جس کے اسباب پر اس وقت گفتگو کا موقع و محل نہیں۔ بہرحال یہ عمل جو تقریبًا ایک رُبع صدی تک جاری رہا ہے اور نہایت آب و تاب کے ساتھ جاری رہا ہے۔ اس کے بارے میں ایک بات تو یہ جان لینی چاہیئے کہ اس کی اصل غرض و غایت کشور کشائی نہ تھی۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

یہ عام دُنیوی فتوحات، یا دُوسرے فاتحین کی دنیا میں پیش قدمی سے بالکل ایک مختلف معاملہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے، جو فاتح ایران ہیں، ایرانیوں کی جانب سے یہ سوال کیا گیا آپ ہم پر کیوں چڑھ آئے ہیں؟ یہ جنگ کس لئے ہے؟ ہمارے مابین تو کوئی تنازعات بھی نہ تھے۔ تو حضرت سعدؓ نے وُہ جواب دیا جو تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور جو تا قیامِ قیامت روشن و تاباں رہے گا۔ انہوںؓ نے

ایرانیوں کے سوال کے جواب میں کہا:۔

إِنَّا قَدْ أُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمٰتِ الْجَهَالَةِ إِلَى نُوْرِ الْإِيْمَانِ
وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ إِلَى عَدْلِ الْإِسْلَامِ۔

ہم بھیجے گئے ہیں۔یعنی میں آیا نہیں لایا گیا ہوں۔ ہم خود نہیں آئے ہم ایک مشن پر ہیں اور وہ مشن کیا ہے ؟ وہ مشن ہے۔کہ ہم نوعِ انسانی کو جہالت سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائیں ۔ اور بادشاہوں کے ظلم وستم کے پنجے سے نجات دلا کر اسلام کے عدل سے روشناس کریں۔ چنانچہ یہ وہی بات ہے کہ اصل مقصد شہادتِ حق تھا۔ شہادت کے ایک معنی اللہ کی راہ میں گردن کٹوا دینے کے بھی ہیں اور اس طرح گویا کہ یہ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کا ایک انفرادی نصب العین ہے۔ یہ وہ تمنا ہے کہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر آرہی ہے چنانچہ احادیث میں آں حضورؐ کی یہ دعائیں منقول ہیں۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ ۔ — اے اللہ میں تجھ سے اپنے راستہ میں شہادت کا طلبگار ہوں۔

اور اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ ۔ — اے اللہ مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما ۔

وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ أَنْ أَغْزُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَأُقْتَلَ ثُمَّ أُغْزُوَ فَأُقْتَلُ ۔

" اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ میری آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں پھر اللہ کی راہ میں قتل ہونے کی سعادت سے شادکام ہوں۔

یہ بات دوسری ہے کہ اپنے رسولوں کے بارے اللہ کی یہ سنت ہے، اس کا یہ اٹل قانون ہے ۔کہ وہ مغلوب نہیں ہو سکتے ۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ " لازماً میں اور میرے رسول غالب رہیں گے" اور جو مغلوب نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ وہ مقتول کیسے ہو سکتا ہے ۔چونکہ قتل مغلوبیت

کی علامت ہے - لہٰذا یہ خواہش حضورؐ کی پوری نہیں ہوئی - لیکن لفظ شہید کے ایک دوسرے معنی بھی ہیں جس کی رُو سے ہر رسُول شہید ہے اور اس شہید کے معنیٰ ہیں - گواہ — اسی بات کو سورۃ النساء کی آیت ۴۱ میں واضح کیا گیا کہ عدالت اُخروی میں تمام رسُول شہید یعنی گواہ بنا کر پیش کئے جائیں گے فرمایا :-

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ○

"پس سوچو کہ اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر اُمّت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے "

یہ شہادت علی الناس کا فریضہ، دنیا میں حق کی گواہی دینا اپنے قول سے اور اپنے عمل سے - اور یہی وہ فریضہ ہے جو حضرت محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُمّت کے حوالے فرما کر اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے - چنانچہ یہ بات سورۃ بقرہ میں بایں الفاظ وارد ہوئی -

"وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط

"اے مسلمانو! ہم نے اس طرح تمہیں ایک بہترین اُمّت بنایا ہے - تاکہ تم گواہی دو پوری نوعِ انسانی پر اور اللہ کے رسُول گواہ ہو جائیں تم پر"

یہ بات سُورۃ حج میں بھی آتی ہے وہاں مسلمانوں کو للکارا جا رہا ہے اور ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ :-

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ط هُوَ اجْتَبَاكُمْ

" اور اللہ کی راہ میں محنت کرو جدوجہد کرو جیسا کہ اُس کے لئے محنت اور سعی و کوشش کرنے کا حق ہے - اللہ نے تمہیں چُن لیا ہے "

یہ چناؤ، یہ انتخاب اور یہ "اجتبیٰ" کس مقصد اور کس غایت کے لئے کیا گیا ہے - اس کو اسی آیت میں آگے ان الفاظ میں واضح کیا گیا :-

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ج

"تاکہ رسُول گواہی دے تم پر اور تم گواہی دو پوری نوعِ انسانی پر"

چنانچہ خلافتِ راشدہ کے دوران ہمیں وہ نظامِ دینِ حق، وُہ نظامِ عدلِ اجتماعی، انصاف و قسط کے اصُول پر بالفعل قائم و نافذ نظر آتا ہے جس کی آج کے انسان کو اصل ضرورت ہے۔ یہ بات پہلے واضح کی جاچکی ہے کہ انفرادی اخلاقیات کا جہاں تک تعلق ہے سابقہ انبیاءؑ و رُسُل کے ہاں بھی وُہ اپنے پورے نقطۂ عروج پر ہے۔ اگرچہ اس اعتبار سے بھی ایک امتیازی شان ہے سیرتِ محمدیؐ کی (علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام)، کہ ہم اُس میں تمام اخلاقی اقدار کو ایک بڑے توازن اور جامعیت کے ساتھ سمویا ہُوا پاتے ہیں لیکن نبی اکرمؐ کا اصل احسان، آپ کی اصل continuation وُہ نظامِ اجتماعی ہے جس میں عدل ہے قسط ہے۔ انصاف ہے۔ ظلم سے پاک معاشرہ اور وہ نظام جو حضورؐ نے دیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کی پوری exfoliation اس کی برکات کا بہ تمام و کمال ظہور، (Lilly in bloom) نظر آتا ہے، دورانِ خلافتِ راشدہ میں اس لئے کہ حضورؐ کے عہد میں تو ابھی انقلاب کا عمل جاری تھا ابھی انقلاب تکمیل کو پہنچا ہی تھا کہ حضورؐ نے مراجعت اختیار فرمائی۔ اللّٰھُمَّ بالرَّفیق الاعلیٰ

اُس نظام کی برکات ظاہر ہوئیں بالخصوص دورِ فاروقی اور دورِ عثمانی میں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف حریّت ہے تو اُس کا عالم یہ ہے کہ ایک خاتون بھی حضرت عمر فاروقؓ جیسے فرمانروا کو ٹوک سکتی ہے۔ (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) اور ایک خاتون کی تنقید پر حضرت عمرؓ اپنا ایک آرڈیننس واپس لے لیتے ہیں، جاری شدہ حکم منسوخ فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک گدڑی پوش ایک درویش لیے تو اسلمان فارسیؓ برسرِعام ٹوک دیتا ہے عمرؓ کو۔ اور دورانِ خطبہ کہتا ہے۔

"لَا سَمْعَ وَلَا طَاعَۃَ"

نہ سُنیں گے اور نہ اطاعت کریں گے۔ اور جب حضرت عمرؓ دریافت کرتے ہیں کہ معاملہ کیا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ خالص ایک نجی تنقید ہے یہ کُرتا جو آپ نے

پہنا ہُوا ہے یہ اُن چادروں سے بنا ہے جو مالِ غنیمت میں آئی تھیں اور ہر مسلمان کو جتنا حصّہ ملا تھا اُس سے کُرتا نہیں بنتا۔ اور آپ تو ہم میں ہیں طویلُ القامت انسان تو یہ کُرتا کیسے بن گیا۔ وقت کے عظیم ترین فرمانروا پر عین مجمعِ عام میں یہ بالکل ذاتی تنقید ہو رہی ہے۔ آزادی کا اور حُرّیت کا یہ عالم ہے اظہارِ رائے کی یہ کیفیت ہے اور حضرت عمرؓ وضاحت فرماتے ہیں۔ اپنے بیٹے کو حکم دیتے ہیں کہ عبداللہ لوگوں کو اصل صورت حال بتلاؤ اور جب وہ صراحت فرما دیتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے حصّے کا کپڑا ابھی ابّا جان کو دیدیا تھا تاکہ اُن کی قمیص مکمّل ہو جائے۔ تو اب وہی درویش بے نوا علی الاعلان کہتا ہے۔

اَلْاٰنَ نَسْمَعُ وَنُطِیْعُ

"ہاں اب ہم سُنیں گے اور اطاعت کریں گے۔"

مساوات اگر کوئی قدر ہے اور یقیناً ایک اعلیٰ قدر ہے اُس کا بھی ہمیں یہ منظر نظر آتا ہے۔ کہ وقت کی عظیم ترین مملکت کا فرمانروا عُمرِ فاروقؓ جس کے نام سے لرزہ طاری ہے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں وُہ بیت المقدس کا سفر کر رہا ہے اور کس شان سے! یہ ذاتی سفر نہیں ہے۔ سرکاری فرائض کی ادائیگی کے لئے جا رہے ہیں۔ لیکن ایک اونٹ اور ایک خادم کے ساتھ۔ اور حال یہ ہے کہ ایک منزل خلیفۃ المسلمین اُونٹ کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور غلام یا خادم آگے چل رہا ہے نکیل تھامے ہوئے۔ اور اگلی منزل میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ خادم اونٹ کی سواری کر رہا ہے اور خلیفۃ المسلمین آگے آگے پیدل چل رہے ہیں نکیل تھامے ہوئے ـــــ اسی طریقے سے عدل اگر حقیقتاً کسی شئی کا نام ہے تو یہ بتمام و کمال نظر آئے گی اسی عہدِ خلافتِ راشدہ میں کہ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کا بیٹا مصر میں ایک قبطی کو ناحق مارتا ہے۔ اور وہ قبطی فریاد لیکر آتا ہے حج کے موقع پر تو حضرت عمرؓ اس قبطی سے گورنر کے بیٹے پر قصاص میں کوڑے لگواتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ذرا ایک دو ضربیں اسکے والد کو بھی لگاؤ۔ اس لئے کہ درحقیقت اس نے اپنے باپ کی گورنری کے زعم ہی

میں تم پر یہ ظلم کیا تھا اور وہ شخص پکار اُٹھتا ہے کہ نہیں مجھے میرا بدلہ مل گیا ہے۔

حضرت علی رضؓ اپنی خلافت کے زمانے میں قاضی کی عدالت میں پیش ہوتے ہیں اور اُن کا دعویٰ صرف اس لئے خارج ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس گواہیاں صرف دو تھیں - ایک بیٹے حضرت حسنؓ کی اور ایک غلام کی - اور عدالت فیصلہ کرتی ہے - کہ کسی شخص کے حق میں اُس کے بیٹے اور اُس کے ذاتی غلام کی گواہی قبول نہیں ہو سکتی لہٰذا آپ کا دعویٰ خارج ہے -

حُرّیت ہو ، مساوات ہو ، عدل و انصاف ہو ، یہ تمام اقدار کہ جن کی یوں سمجھیے کہ نوعِ انسانی کو شدید ضرورت ہے - ان سب کو ایک معتدل نظام کے اندر سمو کر اُس عدلِ اجتماعی کو بالفعل خلافتِ راشدہ نے قائم کر کے اور عملاً چلا کر دکھا دیا - جس کے لئے آج نوعِ انسانی تڑپ رہی ہے - یہ ہے وہ حُجّت جو خلافتِ راشدہ کے ذریعہ تا قیامِ قیامت نوعِ انسانی کے لئے قائم ہو چکی ہے -

فصلّی اللّٰہ تعالےٰ علیٰ محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

وَآخرِدعوانا اَنِ الحمدُ للّٰہِ ربِّ العٰلمین ط ۔

اپنی قیمتی کتابوں کو محفوظ رکھیے

اپنی قیمتی کتابوں کو محفوظ رکھنے کیلئے پلاسٹک کور چڑھوائیے -

خوب صورت پلاسٹک فائلوں اور نوٹ بکس کا مرکز

ایس - پی - اسٹیشنرز

کبیر اسٹریٹ - اُردو بازار ، لاہور - فون: ۶۹۶۸۷

حُسنِ انتخاب

دعوت اور حکمتِ دعوت

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف تحفۂ کشمیر کا ایک باب

[یہ تقریر ۲ نومبر ۱۹۸۱ء مطابق ۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ بوقت صبح دس بجے جمعیۃ اہلِ حدیث جموں وکشمیر کے صدر دفتر ہال میں کی گئی، حاضرین میں ایک بڑی تعداد علماء، اساتذہ اور اہلِ علم وفکر کی تھی۔]

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ ○ (النحل - ۱۲۵)

آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلایئے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کیجئے پسندیدہ طریقہ سے بیشک آپ کا پروردگار (ہی) خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی ہدایت پائے ہوؤں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔

حضرات! اللہ رب العزت کا یہ خطاب اپنے آخری نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آخری امت کے لئے ہے کیونکہ اس امت کے بعد اور کوئی امت نہیں ہے ...

آخری رکوع کی آیت ہے جس میں دعوت وارشاد کے طریقہ کو بیان کیا گیا ہے، فرمان الٰہی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ — آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم و حکمت

وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ ۔ (النحل ۔ ۱۲۵) — اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلائیے ۔

حکمت سے مراد ہے عقل، دانائی، سلیقہ، حسن تدبیر، سچی اور صحیح بات کو واضح کرکے دل میں اتارنے کا طریقہ، اس طرح کہ مداہنت یا موقعہ پرستی کا شائبہ نہ ہونے پائے، سیاست کا اس میں دخل نہ ہو، سیاست الگ چیز ہے، اور حکمت و موعظت الگ ہے ۔

اپنے عہد میں خدا کے محبوب ترین بندہ موسیٰ علیہ السلام کو اُس عہد کے خدا کے مغضوب ترین بندۂ ظالم و جفا کار فرعون کے پاس جانے اور دعوت دینے کا حکم ملتا ہے، لیکن سلیقہ اور نرمی سے بات کرنے کا حکم دیا جاتا ہے ۔

اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ۝ — دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت

(طٰہٰ ۔ ۴۳) — نکل چکا ہے ۔

اس سرکش اور طاغی کے ساتھ بھی دعوت کا کیا طریقہ اختیار کرنا ہے ؟

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا ۔ (طٰہٰ ۔ ۴۴) — پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا ۔

بات پکی اور سچی ہو، مگر انداز تکلم سلیقہ، نرمی، خوش آہنگی کا ہو :۔

لَعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی ۝ — شاید وہ (برغبت) نصیحت قبول

(طٰہٰ ۔ ۴۴) — کرلے یا (عذاب الٰہی سے) ڈر جائے ۔

تاکہ وہ نصیحت پکڑے، یا سلیقہ کی بات سن کر اس کے دل میں خشیت و خوف پیدا ہوجائے، اور اپنے کفر و طغیان، اور شر و ظلم سے باز آئے، اگر بھلی بات کے کہنے کا انداز بری طرح ہو تو وہ کارآمد ثابت نہیں ہوتا، شاعر نے سچ کہا ہے ۔ ؎

بھلی بات کو بھلی طرح کہنا ہی حسن سلیقہ اور حکمت ہے، اگر مخاطب سے سوال وجواب بھی کرنا پڑے تو اس میں بھی سلیقہ ہونا چاہیئے، مناظرہ اور مجادلہ کے موقعہ پر بھی اس کی ہدایت ہوئی:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط — اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے

(النحل-۱۲۵) — بحث کیجئے۔

تاکہ سننے والے اور دیکھنے والے داعی کے طریقۂ استدلال سے متاثر ہوں چاہے مخاطب پر اثر نہ ہو، اگر طریقۂ بحث و مجادلہ احسن طریقہ پر ہوگا تو مخاطب عقل سلیم اور نیک فطرت کی بناء پر خود متاثر ہوگا، اگر ایسا نہ ہوا تو بھی حاضرین وسامعین پر حسن مجادلہ کا ضرور اثر پڑے گا، یہی حقیقت آیت :-

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا — بیشک ابراہیم بڑے مقتدا تھے اللہ تعالیٰ

لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ط وَلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ — کے فرمانبردار تھے بالکل ایک طرف

(النحل-۱۲۰) — کے ہو رہے تھے اور وہ شرک کرنے

والوں میں نہ تھے۔

سے بھی واضح ہوتی ہے، ان کو اس طریقۂ استدلال، سلیقہ، حکمت وموعظت، اور احسن مجادلہ کے باوجود :-

حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا کَانَ مِنَ — طریق مستقیم والے (یعنی) صاحب اسلام

الْمُشْرِکِیْنَ ○ (آل عمران-۶۷) — تھے اور مشرکین میں سے (بھی) نہ تھے۔

کا خطاب عطا فرمایا گیا، اس لئے کہ ان کی دعوت میں حکمت تھی، مداہنت نہ تھی، لینت تھی، سیاست نہ تھی، لہذا ایک مومن مسلمان کو بھی یہ طرز تبلیغ اختیار کرنا لازم ہے، عقائد کی اصلاح کے لئے بھی "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِکْمَةِ" کا طریق کار ہی مفید ہے، بات کتنی ہی ضروری اور لازمی ہو، داعی کے سامنے مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ مرض کا علاج

کرنا ہے اس میں پیار، نرمی، اور محبت ہو سختی، درشتی، تیزی و تندی کی وجہ سے مریض تجربہ کار مشہور ڈاکٹر اور حکیم کے پاس جانے سے بھی ڈرتا ہے، علاج معالجہ کی بات ہی الگ ہے۔ امت کو پیغام ملتا ہے:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	(اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر
عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ	تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (البشر)
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝	سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت
(التوبہ۔ ۱۲۸)	گراں گذرتی ہے جو تمہارے منفعت کے

بڑے خواہشمند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔

اس پر عمل کرنا آپ کے ایک امتی پر بھی لازم ہے، وہ دوسرے انسان کو حکمت عملی اور محبت اور پیار سے دعوت دے کر سلیقہ سے سمجھا کر عقائد کی اصلاح کے لئے مائل وراغب کرے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر تبلیغ اور دل سوزی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ	(اے پیغمبر!) تمہاری حالت تو ایسی
عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ	ہو رہی ہے کہ جب لوگ یہ (واضح) بات بھی
يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ	نہ مانیں تو عجب نہیں ان (کی ہدایت) کے
اَسَفًا ۝	پیچھے مارے افسوس کے اپنی جان ہلاکت
(الکہف۔ ۶)	میں ڈال دو (حالانکہ یہ ماننے والے نہیں)۔
لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا	کیا آپ اپنی ذات کو ان کے ایمان لانے
مُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء۔ ۳)	کی خاطر ہلاکت میں ڈال دیں گے؟

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور دردِ دلی تھا کہ ایک ایک آدمی اپنے مالک مختار کے آستانہ پر سر جھکائے اور کوئی اس در سے محروم نہ جائے آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے فرمایا کہ :۔

لان یھدی اللہ بك رجلا خیرلك	سرخ اونٹوں سے بھی کہیں بہتر ہے کہ[1]
من حمرالنعم۔	ایک آدمی کو تمہارے ذریعہ سے ہدایت ہو جائے

مبلغ کو بھی ایک دردمند اور دانشمند ڈاکٹر اور معالج کی طرح مریض کا خیر اندیش بن کر علاج کرنا ہے حکیم یا ڈاکٹر کا مقصد مریض کو مارنا نہ ہو بلکہ صحت یاب کرنا ہونا چاہیئے عقیدۂ توحید کی بات تو بالکل صاف کہی جائے اور شرک کی تردید بھی ہو، لیکن دوا کی مناسب خوراک ہو، اگر دوا زیادہ تیز یا مقدار میں زیادہ ہوگی یا یکدم کھلادی جائےگی یا قوت برداشت سے زیادہ ہوگی تو مریض کا کام تمام ہو جائے گا، چونکہ بات واقعات سے مربوط ہو کر زیادہ خوبی کے ساتھ سمجھ میں آتی ہے اس لئے دو ایک واقعات سنئے۔

دیکھئے اللہ کے بندے جن کے دلوں میں عشق الٰہی کی آگ لگی تھی وہ بھی حکمت سے کس طرح کام کرتے رہے ہیں، شیخ جمال الدین ایرانی کہیں جارہے تھے تاتاریوں نے اسلامی سلطنتوں کو تاراج کیا تھا، اتفاق سے اسی روز ایک تاتاری شہزادہ تغلق تیمور شکار کھیلنے نکلا ہوا تھا، اور یہ تاتاری شہزادہ چغتائی شاخ کا ولی عہد تھا، جو ایران پر حکومت کررہی تھی، شہزادہ کی شکارگاہ میں جب شیخ جمال الدین اتفاقاً داخل ہوگئے اور پہرہ دار ان کو پکڑ کر شہزادہ کے سامنے لائے تو شہزادہ نے ایک مسلمان فقیر صورت دیکھا اور وہ بھی ایرانی کو دیکھ کر (جس کو تاتاری اس وقت بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے) بدشگونی لی، اور غصہ سے پوچھا، بتاؤ میرا یہ کتا اچھا ہے یا تم؟ شہزادہ نے غیظ وغضب سے بات کی تھی،

---

[1] سرخ اونٹ عرب میں بڑی دولت اور نایاب چیز سمجھی جاتی تھی۔

شیخ جمال الدین نے سنجیدہ انداز میں جواب دیا، انھوں نے فرمایا: اس کا قطعی فیصلہ کرنے کا یہ موقعہ نہیں، شہزادہ بولا، پھر اس کا کونسا موقعہ ہوگا؟ فرمایا وہ میرے خاتمہ یعنی وفات کے وقت ہی واضح ہوگا، اگر میں کائنات کے پیدا کرنے والے مالک جلّ شانہٗ کی صحیح معرفت اور اقرار پر فوت ہوا تو میں آپ کے کتے سے بہتر ثابت ہوں گا، بصورتِ دیگر یہ کتا ہی مجھ سے بہتر اور خوش قسمت ہوگا، ان کے اس جواب نے شہزادہ کے دل پر ایک چوٹ لگائی، شہزادہ نے شیخ سے کہا، جب تم سنو کہ میں تخت نشین ہوا ہوں تو اس وقت مجھ سے آکر ملنا، شیخ جمال الدین کا شہزادہ کی ولی عہدی ہی کے زمانہ میں دنیا سے کوچ کرنے کا وقت آگیا، آپ نے اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ میں دنیا سے رخصت ہوتا ہوں، جو کام میرے ذمہ تھا، وہ ادھورا رہا شاید تم اس کو پورا کرسکو، اور یہ تمام واقعہ بیان کیا۔

شیخ جمال الدین کی وفات کے بعد جب ولی عہد کی تاج پوشی ہوئی تو پھر شیخ کے فرزند اپنے والد بزرگوار کی وصیت پورا کرنے کی خاطر روانہ ہوئے، شاہی محل کے دروازہ پر سپاہیوں نے ٹوکا اور دروازہ سے ہٹایا، آپ نے ایک درخت کے نیچے مصلی بچھایا، اور علی الصباح اذان دی، جس سے بادشاہ کی آنکھ کھل گئی، تحقیقات پر معلوم ہوا کہ کوئی مسکین صورت آدمی باہر بیٹھا ہے، اس نے ہی یہ آواز لگائی ہے، جس سے بادشاہ کی نیند میں خلل پڑا، بادشاہ نے غصہ ہوکر اس کو گرفتار کرکے لانے کا حکم صادر کیا، چنانچہ ان کو پکڑ کر سپاہی بادشاہ کے پاس لائے، پوچھنے پر انھوں نے اپنے والد کا سلام پہونچا کر بتایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا، اور اس سوال کا جواب مل گیا، جو آپ نے کیا تھا، اور شکار کا واقعہ جو ولی عہدی کے زمانہ میں پیش آیا تھا یاد دلایا، بادشاہ کے دل پر اب دوسرا چرکا لگا، اور فوراً اپنے اسلام لانے کا اقرار کرکے اپنے وزیر سلطنت کو بلایا، اور اسے یہ قصہ کہا، وزیر نے جواب دیا کہ میں تو پہلے ہی مسلمان ہوچکا ہوں، مگر میں نے اس کو پوشیدہ

رکھا تھا، اس طرح ایران کی یہ چغتائی تاتاری شاخ تمام اہل کاروں، فوج سمیت حلقہ بگوش اسلام ہوئی[۱]، اس طرح ایک اللہ والے نے ایرانی تاتاری سلطنت میں اسلام کو کیسے پھیلایا کہ ساری کی ساری تاتاری قوم مسلمان ہوگئی۔

ایسے ہی ایک دوسرا واقعہ ہے کہ مولانا یحییٰ علی صاحب جو حضرت مولانا ولایت علی صاحب صادقپوریؒ[۲] کے تربیت یافتہ تھے، اور ان کو مجاہدین سرحد کی مدد کرنے کے الزام میں (جنھوں نے حضرت سید صاحب کے بعد ان کا کام جاری رکھا تھا) ۱۸۶۴ء میں پھانسی کی سزا ہوئی تھی، وہ انبالہ جیل کی ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں محبوس تھے، جس میں ہوا اور روشنی کے لئے کوئی راستہ نہ تھا، سخت گرمی کے دن تھے، جیل افیسر معائنہ کے لئے آیا تو اس کو خیال ہوا کہ ایسے حال میں تو یہ مرجائیں گے، مقدمہ ابھی باقی ہے، اس نے حکم دیا کہ دروازہ کھلا رہے، اور سنتری پہرہ پر کھڑے رہیں، یہ سنتری بالعموم سکھ یا گورکھا ہوتے تھے، وہ جہاں اپنی ڈیوٹی سنبھالتے، آپ ان کو مخاطب کرکے حضرت یوسفؑ کا وعظ توحید سنانے لگتے:۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ	اے قیدخانہ کے رفیقو! متفرق معبود
مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ	اچھے یا ایک معبود برحق جو سب سے زبردست
الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ	ہے وہ اچھا، تم لوگ تو خدا کو چھوڑ کر
اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ	صرف چند بے حقیقت ناموں کی عبادت
مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ	کرتے ہو، جن کو تم نے اور تمہارے باپ

[۱] اس واقعہ کو ایرانی مورخین اور پروفیسر ارنلڈ نے اپنی کتاب (PREACHING OF ISLAM) "دعوت اسلام" میں الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ بیان کیا ہے، مقرر نے اپنی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" جلد اول میں اس کو نقل کیا ہے۔

[illegible] [۲] مولانا ولایت علی صاحب حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلفائے کبار میں تھے

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا — داووں نے (آپ ہی) ٹھہرالیا ہے،

اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ — خدا تعالیٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ — کوئی دلیل (عقلی یا نقلی) بھیجی نہیں،

(اور) حکم دینے کا اختیار (صرف) خدا ہی کا ہے (اور) اس نے حکم دیا ہے کہ
بجز اس کے اور کسی کی عبادت نہ کرو یہی (توحید) کا سیدھا طریقہ ہے لیکن
اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف ـ ۳۹ ـ ۴۰)

وہ ان آیات کی تلاوت اور تشریح فرماتے یہ سن کر ان پہرہ داروں کے آنسو نکل پڑتے اور ان پر سناٹا چھا جاتا، اور جب ان کا پہرہ بدلا جاتا تو وہ خوشامد کرتے کہ ان کو یہیں رہنے دیا جائے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں کتنے بندگان خدا کے دل میں توحید کا بیج پڑ گیا اور ان کو ایمان نصیب ہوا۔

اسی طرح مولوی محمد جعفر صاحب کو جب "کالا پانی" کی سزا ہوئی تو کوئی غم، فکر ان کے چہرہ پر نمودار نہ تھا، انگریز تماشائیوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انھوں نے فرمایا، یہ موت نہیں شہادت ہے، جو ایک ایسی نعمت ہے، جس کے مقابلہ میں تمام دنیا کی سلطنت ہیچ ہے، وہاں بھی وہ تبلیغ دین حکمت سے انجام دیتے رہے جیل اور پورٹ بلیر میں بھی وہ اور ان کے رفقائے کرام توحید کی دعوت اور تبلیغ کرتے رہے، اور بہت سے بندگانِ خدا نے ہدایت پائی، مولانا یحییٰ علی صاحبؒ کے پاس ایک رات ایک بدکردار، بدنام قیدی کا بستر آ گیا، جب اس نے مولانا کی عبادت گذاری، اور دعائیں اور آہ وزاری دیکھی تو وہ بھی تائب ہوا، اور تہجد گذار بن گیا، اسی طرح جیل میں بیسیوں بندگانِ خدا کو ہدایت ہوئی اور ان کی زندگی بدل گئی۔

دونوں مل کر کام کریں تو پھر نتیجہ واضح ہے، اگر ایک شکاری جانور کو شکار کرنے کے لئے حکمت استعمال کرتا ہے، تو ایک مبلغ اپنے مقدس کام میں حکمت سے کام کیوں نہ لے جو اس سے بہتر مقصد رکھتا ہے، شرک سب سے بڑا مہلک مرض ہے، اس کا علاج بھی حکمت سے کرنا لازم ہے، لہجہ نرم ہو مگر بات سچی ہو، تاکہ سننے والا مانوس ہو تو علاج کا اثر جلد ہوگا، شرک ہی کے متعلق اعلان ہے :۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ	بیشک اللہ تعالٰی اس بات کو نہ بخشیں گے کہ
یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ط	ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور
(النساء-۱۱۶)	اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے
	منظور ہوگا وہ گناہ بخش دے گا۔

توہم پرستی اور مخلوق پرستی سے نکالنے کے لئے جتنی نرمی برتی جائے، مناسب ہے، ایک پورے شہر پورے ملک کو حکمت ہی سے خدا کے صحیح راستہ پر لایا جا سکتا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جب سنا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا :۔

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل	آج رن کا دن ہے، آج کعبہ میں آزادی
الکعبۃ الیوم اذل اللہ قریشا۔	کے ساتھ عمل کیا جائے گا، آج اللہ نے
	قریش کو ذلیل کیا ہے۔

تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بدلے "الیوم یوم المرحمۃ الیوم یعز اللہ قریشا و یعظم اللہ الکعبۃ[۱]" (آج رحمت عام کا دن ہے، آج اللہ قریش کو عزت دے گا، آج کعبہ کی عزت بڑھائی جائیگی) کا اعلان فرمایا، اور سعد بن عبادہ رضی اللہ

[۱] [illegible]

عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے کو دیا، جھنڈا پکڑنے میں باپ کی جگہ بیٹے کا ہاتھ آیا، تو اس حکمت عملی نے ابوسفیان کے دل میں تلاطم پیدا کر دیا، آپ نے ان کے گھر کو جب دارالامان کا درجہ دیا، تو ابوسفیان کی دشمنی محبت اور دوستی سے بدل گئی، اب حکمت کا اندازہ کر لیجئے، ابوسفیان کو جو یہ اعزاز بخشا گیا، تو ان کی نفرت کی آگ ٹھنڈی ہوئی، اور دل کے دروازے کھلے، تاریخ و تذکرہ کی کتابیں بتاتی ہیں کہ ہمارے بزرگ جس راستہ سے گذرے توحید کی تبلیغ اور بدعات و شرکیات سے پرہیز کا وعظ کہتے ہوئے گزرے، جو بھی قافلہ ہمارا جہاں سے گذرا وہاں توحید کی ہوا چلی، حضرت سید علی ہمدانی، سید عبدالرحمٰن بلبل شاہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالےٰ کشمیر کی گل پوش و گل پاش وادی یا چشموں کی سیرابی کا نظارہ کرنے نہیں آئے، بلکہ کوہستانوں، لق و دق بیابانوں، خارزار وادیوں کو قطع کر کے کلمۂ حق کی اشاعت و تبلیغ کی خاطر آئے، جس کے نتیجہ میں آپ کشمیر میں لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو توحید کا حلقہ بگوش پاتے ہیں، میں نے یہی بات ذرا تفصیل سے جامع مسجد کی تقریر میں کہی تھی، اخباروں میں شایع ہوا کہ میں نے سارے کشمیریوں کو مشرک بتایا، بھلا مجھے بلا تحقیق اس کا کیا حق تھا، اور میں مسلمانوں کو بیک زبان کیسے کافر کہہ سکتا ہوں، میری پوری تقریر اس مجموعہ میں شامل ہے۔

توحید کی دعوت میں اُنس پیدا کیا جائے، اختلافی مسائل کو درمیان میں نہ لایا جائے، اختلافی مسائل میں ترجیح الگ بات ہے، علمی اختلاف کی گنجائش بہرحال ہے، وہ بعد میں ہوگا، پہلے توحید کا مضمون لانا ہے، آستانۂ الٰہی پر سر جھکانا ہے، علمی اختلاف کا موقع اس کے بعد ہے، بزرگوں کا کام توحید پھیلانا اور شرک و بدعت کو دور کرنا ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے ایک بڑے شیخ طریقت تھے جو مسلک حنفی پر عمل کرتے تھے، ایک اہل حدیث عالم ان کے مرید ہوئے اور رفع یدین چھوڑ دی، مولانا کو خبر ہوئی تو فرمایا، اگر آپ کی تحقیق رفع یدین سے متعلق بدل گئی ہے تو الگ بات ہے لیکن

اگر میری وجہ سے چھوڑ دی ہے، تو میں سنت چھوڑنے کے لئے نہیں کہہ سکتا ہوں۔

آپ کو دیکھنا ہے کہ اللہ کی مخلوق کہاں جارہی ہے؟ اور سب سے بڑی بات قرآن وحدیث کی تبلیغ ہے، یہی چیز دعوت وتبلیغ کی اصل واساس ہونی چاہئے، مسلکی خصوصیات اس کے بعد آتے ہیں، مسلمان تعداد میں بہت بڑھ گئے ہیں لیکن جذبۂ دین وہ نہ رہا جو پہلے تھا، عامۃ المسلمین کے لئے کوئی خطرہ ہو تو اس کے لئے سب سینہ سپر ہو جائیں، اس بات کا خیال رہے کہ کسی کی دل آزاری نہ کی جائے، ہمیشہ وسعت قلبی کا ثبوت دیا جائے، نفرت نہ پھیلائی جائے۔

صادقپوری اور غزنوی خاندان کے حضرات اہل حدیث علماء تھے، ان میں مولانا ولایت علی، مولانا احمداللہ، مولانا یحییٰ علی، مولانا عبدالرحیم، مولانا سید عبداللہ غزنوی، مولانا عبدالجبار غزنوی جیسی دیندار اور خدا دوست ہستیاں تھیں، کہ ان کے چہروں سے نور ٹپکتا تھا، اور ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، انھوں نے ہندوستان بھر میں کس طرح موعظت وحکمت یا بضرورت استدلال واثبات سے لوگوں کے عقائد کی تصحیح کی۔

امرتسر میں ندوہ کا جلسہ تھا جس میں ہندوستان کے چوٹی کے علماء شریک تھے، علامہ شبلیؒ کا زمانہ تھا، صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی صاحب کی زبانی میں نے سنا ہے کہ صبح مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی کا درس قرآن ہوتا تھا، غالباً فارسی میں درس دیتے تھے، مولانا شبلی ایک مرتبہ شریک ہوئے تو مولانا شروانی سے کہا جس وقت مولانا عبدالجبار صاحب اللہ کا نام لیتے تھے تو روح وجسم میں ایک بجلی سی دوڑ جاتی تھی، اور دل چاہتا تھا، کہ سر ان کے قدموں پر رکھ دیا جائے۔

ہندوستان پر خدا کی ایک بڑی رحمت شاہ ولی اللہؒ کا خاندان تھا، جس نے قرآن وسنت کو رواج دیا، اور شرک وبدعت کا قلع قمع کیا، ترجمۂ قرآن کرنے پر ان کی سخت مخالفت

کی گئی، مگر وہ اللہ کے بندے کب دعوت دین سے ہچکچانے والے تھے؟ اس خاندان میں شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ اسماعیل، شاہ اسحاق جیسے علمائے ربانیین اور مجاہدین پیدا ہوئے۔

مولانا اسماعیل شہیدؒ کے صرف ایک وعظ سے ایک جلسہ میں بیسیوں طوائف اور پیشہ ور عورتیں نیکوکار اور پارسا بن گئیں، تفصیل میری کتاب "کاروان ایمان وعزیمت" میں دیکھئے۔

تقریر کے اختتام پر جمعیت کے ناظم تبلیغ صوفی محمد مسلم صاحب نے اقبال کا یہ شعر پڑھا اسی پر یہ تقریر ختم کی جاتی ہے کہ اس میں تقریر کی روح آگئی ہے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

کراچی کے قارئینِ میثاق کیلئے
ایک ضروری اطلاع

تنظیم اسلامی کراچی کے زیرِ اہتمام ہر جمعہ کو ساڑھے نو بجے صبح سے ساڑھے گیارہ بجے تک ہفتہ وار اجتماع اس کے دفتر واقع فلیٹ ۱۱ داؤد منزل متصل شاہ بکری نزد آرام باغ میں منعقد ہوتا ہے۔ جس میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دروسِ قرآن حکیم کے کیسٹ سنائے جاتے ہیں اور دیگر دینی پروگرام روبعمل آتے ہیں۔ شرکت کی عام دعوت ہے۔

المعلن: واحد علی رضوی قیم تنظیم اسلامی - کراچی

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

رپورتاژ

خبیب عبدالقادر

بلتستان میں دس دِن

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی معیت میں

دوسری (آخری) قسط

خطرناک پگڈنڈیوں اور پُرپیچ پتھریلے راستوں سے ہوتے ہوئے قریبًا ڈیڑھ گھنٹے میں ہمارے گھوڑوں نے ہمیں تھونگموس پہنچایا - اس دوران دو بج چکے تھے - امیر محترم کو فکر ہوئی کہ میجر معین صاحب سے تو یہ طے کیا تھا کہ ہم تین بجے واپس دریا پر پہنچ جائیں گے جہاں سے ہمیں بارڈر دیکھنے جانا تھا - لیکن یہاں جن غیر متوقع حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا اُن کے پیش نظر ۳ بجے واپس پہنچنا ناممکن تھا - میجر صاحب سے ٹیلیفون پر رابطے کی کوشش کی گئی لیکن ناکامی ہوئی چاروناچار اس معاملے کو اللہ پر چھوڑنا پڑا - یہاں ڈاکٹر صاحب کو سب سے پہلے نوربخشیہ مدرسے کا معائنہ کرایا گیا پھر ہم اہلسنّت حضرات کے مدرسے میں گئے - جہاں کہ اصل پروگرام تھا - نمازِ ظہر کے بعد اجتماعی کھانا کھایا گیا جس کے بعد امیر محترم کا مختصر خطاب ہوا - عبداللہ اصلاحی صاحب کے بھائی نے تقریر کے اختتام پر ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا - یہاں سے واپسی ساڑھے تین بجے ہوئی - ہم پھر اُنہی گھوڑوں کے رحم وکرم پر تھے - ۵ بجے دریا پر پہنچے - اُسی گراڑی کے ذریعے باری باری سب نے دریا پار کیا - یہاں میجر معین صاحب اُن کے ساتھی اور خپلو کے راجہ جناب فتح علی خاں صاحب کو اپنا منتظر پایا - ڈاکٹر صاحب نے وقت پر نہ پہنچنے کی معذرت کی اور اصل صورتِ حال سے آگاہ کیا تو میجر صاحب نے بتایا کہ جب

چونکہ اندازہ تھا کہ آگے تھونگوس کتنی دیر کی مسافت پر ہے اس لئے وہ بھی بے فکر ہو کر ریسٹ ہاؤس چلے گئے تھے۔

یہاں سے ہم دو فوجی جیپوں میں 'اسلام' کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل چونکہ یہاں آندھی چلی تھی اس لئے کچھ چھوٹے بڑے پتھر سڑک پر لڑھک آئے تھے جن کے باعث ہمیں کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم ۲۰ منٹ میں ہم بارڈر پر پہنچ گئے۔ میجر معین صاحب نے دوربین کے ذریعے ہمیں انڈین مورچے دکھلائے اور اپنے مورچوں کی بھی سیر کرائی۔ وہیں ایک مورچے میں انہوں نے چائے سے ہماری تواضع کی۔ مغرب کے وقت ہماری واپسی ہوئی۔ اب چونکہ رات کو خپلو واپس جانا ممکن نہیں تھا اس لئے یہ طے پایا کہ رات ہم فوجیوں کے ہیڈکوارٹر 'بیون' میں گزاریں گے اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صبح ۸ بجے امیر محترم فوج کے جوانوں سے خطاب کریں گے۔ راجہ صاحب خپلو جناب فتح علی خاں صاحب اور DSP خپلو جناب حشمت اللہ صاحب بھی یہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ نمازِ عشاء کے بعد فوجی افسران کے میس میں ہم سب لوگ جمع ہوئے۔ کھانے کے بعد رات دیر تک سوال و جواب کی نشست رہی۔ کوئی ساڑھے گیارہ بجے رات یہ محفل برخاست ہوئی اور سب لوگوں نے آرام کے لئے اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا۔

۱۴ / جون بروز پیر صبح نماز فجر مسجد میں ادا کی۔ فجر کے بعد ہم لوگوں نے کچھ دیر آرام کیا، آٹھ بجے چونکہ ڈاکٹر صاحب کا پاکستانی فوج کے جوانوں سے خطاب کا پروگرام تھا اس لئے ½۷ بجے ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں ہی ناشتے سے فارغ ہو گئے۔ یہاں تقریر کا موضوع 'ایمان۔ تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ' تھا فوج کے جوانوں کے علاوہ گاؤں کے لوگوں کی بھی اچھی خاصی تعداد تقریر سننے کے لئے اکٹھی ہو گئی تھی۔ ٹھیک آٹھ بجے تلاوت قرآن کے بعد ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا آغاز ہوا۔ امیر محترم کی یہ مفصل اور جامع تقریر ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ بیون گاؤں روانہ ہوئے جہاں نور بخشی حضرات کا مدرسہ تھا اور وہ امیر محترم کو پہلے ہی دعوت دے گئے تھے یہاں چائے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد کوئی ½۱۰ بجے ہمارا یہ قافلہ واپس خپلو کیلئے روانہ

ہوا دوپہر ایک بجے ہمارا یہ مختصر سا قافلہ واپس خپلو پہنچ گیا آج دوپہر کا کھانا حشمت صاحب کے گھر پر تھا لیکن ڈاکٹر صاحب کو کچھ ٹمپریچر تھا اس لئے آپ نے حشمت صاحب سے معذرت کر لی۔ ہمارے ساتھی علاؤ الدین صاحب کی بھی پیون میں کچھ طبیعت خراب ہوگئی تھی لہٰذا وہ بھی کھانے پر نہیں جا سکے - ایک بات جس کا ذکر رہ گیا ہے اس کا تذکرہ کرتا چلوں کہ جب ہم پیون سے واپس خپلو آ رہے تھے تو خپلو کے راستے میں حق نواز صاحب کے چچا سعدی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ڈاکٹر صاحب کو ۱۵ تاریخ کی صبح ڈوغنی پہنچنے کی دعوت دینے آئے تھے جسے ڈاکٹر صاحب نے قبول کر لیا تھا۔ لیکن جب ہم حشمت صاحب کے ہاں سے واپس آئے تو خپلو میں استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین سید محرم علی شاہ صاحب نے بتایا کہ شیعہ اکابرین نے ۱۵ تاریخ کی صبح کو امیر محترم کو ناشتے پر مدعو کیا ہے اس پر حق نواز صاحب نے یاد دلایا ۱۵ تاریخ کی صبح تو ہمیں ڈوغنی پہنچنا ہے - فوری مشورے سے یہ طے پایا کہ شیعہ حضرات کو یہ بتا دیا جائے کہ کل صبح تو ہمارا ڈوغنی کا پروگرام ہے اور وعدہ ہو چکا ہے البتہ آج شام بعد نماز عصر آپ چاہیں تو ڈاکٹر صاحب کو بلا سکتے ہیں جسے انہوں نے بخوشی منظور کر لیا -

اس کے بعد حق نواز صاحب مجھے اور عاطف کو خپلو کے راجہ صاحب کا محل دکھانے کے لئے لے گئے جہاں راجہ صاحب کے صاحبزادے نے جنہیں 'خان' کہا جاتا ہے، ہمیں خوش آمدید کہا اور اپنے عربی النسل گھوڑے دکھائے - محل کے شاندار باغوں میں گھمایا اور چائے سے تواضع کی یہاں سے فارغ ہو کر ہم سیدھے شیعہ حضرات کے مدرسے 'انوار مصطفٰے ٹرسٹ' پہنچے - حسب پروگرام ڈاکٹر صاحب بھی کچھ دیر بعد مولانا عبدالرشید صاحب کے ساتھ مدرسے پہنچ گئے - ان کا استقبال خپلو کے راجہ فتح علی خان صاحب اور ممتاز عالم دین سید علی صاحب کے علاوہ اکابرینِ شہر نے کیا اور اپنی شاندار مسجد دکھائی - بعد ازاں مدرسہ کے ایک کمرے میں پُرتکلف عصرانہ دیا گیا - یہ مسجد اور مدرسہ ایک کویتی شیخ کے تعاون سے بنایا گیا ہے -

مغرب سے کچھ دیر پہلے ہم یہاں سے واپس روانہ ہوتے رات کا کھانا حق نواز صاحب

کے ہم زلف اور خپلو ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر، جناب عبدالرحیم صاحب، کے ہاں تھا ان کا گھر راستے ہی میں تھا مغرب کی نماز مسجد میں ادا کرنے کے بعد ہم لوگ ماسٹر صاحب کے گھر پہنچے یہاں امیر محترم سے سوال جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی کچھ دیر تک مختلف مسائل پر گفتگو ہی - ۱۰½ بجے ہم لوگ واپس SDM ہاؤس پہنچے۔

۱۵ / جون بروز منگل

آج ہمارا پروگرام ڈوغنی کا تھا اور وہیں سے سکردو کیلئے روانہ ہونا تھا صبح کا ناشتہ بھی ہمیں ڈوغنی ہی میں کرنا تھا اس لئے صبح فجر کی نماز کے بعد چھ بجے ہم لوگ یہاں سے ڈوغنی کے لئے روانہ ہوئے خپلو سے ڈوغنی کا پیدل راستہ تو ۲۲ کلو میٹر ہے لیکن بذریعہ جیپ یہ فاصلہ بڑھ کر ۴۰ کلو میٹر ہو جاتا ہے کیونکہ ڈوغنی جانے کے لئے دریا معلّق پل کے ذریعے پار کرتے ہیں اور معلق پل یہاں سے کچھ آگے تھا جس کی وجہ سے فاصلے میں اضافہ ہو جاتا ہے

ڈوغنی جانے سے پہلے ایک نالہ پار کرنا پڑتا ہے جب ہم نالے کے نزدیک پہنچے تو پتا چلا کہ پانی کچھ زیادہ ہے ابھی اس نالہ پر پل تعمیر نہیں ہوا تھا پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے طے یہ ہوا کہ صرف ایک جیپ نالہ پار کرے گی جبکہ باقی لوگ پیدل ہی نالہ پار کریں گے اس طرح امیر محترم، عاطف، علاؤالدین صاحب اور میں ایک جیپ میں سوار ہوئے نالے میں اس وقت پانی ڈھائی سے تین فٹ تک تھا اس لئے جیپ کا نالے میں جانا خطرہ سے خالی نہیں تھا جیپ کو بسم اللہ کر کے نالہ میں اتارا گیا۔ جیپ نے پانی میں جھولتے جھولتے کسی نہ کسی طرح نالہ پار کر ہی لیا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد جب ہم مدرسہ سلطان المدارس پہنچے تو وہاں زبردست استقبالیہ گیٹ بنایا گیا تھا اور رنگین کپڑوں سے چاروں طرف دیواروں کو سجایا گیا تھا ہم لوگ سیدھے حق نواز صاحب کے چچا سعدی صاحب کی قیام گاہ گئے ہمارے آج کے قیام کا انتظام یہیں تھا ۹ بجے کے قریب ناشتے سے فارغ ہوتے۔ پروگرام یہ تھا کہ امیر محترم کو سلطان المدارس کا معائنہ اور خطاب کرنا تھا اس کے علاوہ ڈوغنی مڈل اسکول میں بھی طلباء اور اساتذہ سے خطاب کرنا تھا۔

حسب پروگرام ۱۰½ بجے ہم لوگ مدرسہ میں پہنچے یہاں حق نواز صاحب نے

امیر محترم کا مدرسے کے طلباء اور اساتذہ سے تعارف کرایا ۔ یہ مدرسہ آج سے ایک سال قبل مولانا سعدی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی صاحب کے حکم پر قائم کیا تھا۔ اس کے زیر اہتمام دو اور مدرسے بھی کھرکوہ اور بلغار میں قائم ہیں مدرسہ کی کارکردگی دیکھ کر ڈاکٹر صاحب بہت خوش ہوئے یہاں پہ آپ نے عوام اور طلباء سے مختصر خطاب فرمایا ۔

سلطان المدارس سے فارغ ہوتے کے بعد ہم مڈل سکول آئے یہاں طلباء کے علاوہ اساتذہ اور عوام بھی کافی بڑی تعداد میں موجود تھی یہاں امیر محترم کا خطاب پون گھنٹے کا ہوا آخر میں ہیڈ ماسٹر جناب محمد بشیر صاحب نے امیر محترم کی تشریف آوری پر شکریہ ادا کیا — یہاں سے ہم لوگ واپس قیام گاہ گئے جہاں امیر محترم سے ملاقات کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا ۔ تنظیمی امور پر بھی بات چیت رہی یہاں دو حضرات مولانا محمد امین الدین صدیقی صاحب جو کہ جامعہ مدینہ سے فارغ ہیں اور احمد صاحب نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی ۔

ڈیڑھ بجے یہاں کھانے سے فارغ ہوئے کچھ دیر استراحت کے بعد نماز ظہر مسجد میں ادا کی ۔ ظہر کی نماز کے فوراً بعد ½۲ بجے ہمارا یہ قافلہ سکردو کے لئے روانہ ہوا اب ہم نے نالہ پیدل ہی پار کیا کیونکہ پانی کا بہاؤ کچھ زیادہ ہو گیا تھا اس لئے تختہ جوڑ کر یہاں خاص طور پر راستہ بنا دیا گیا تھا ۔

اسکردو جاتے ہوئے راستے میں ایک گاؤں کرس پڑتا ہے یہاں کچھ دیر کے لئے ڈاکٹر صاحب کو رکنا تھا کیونکہ یہاں آپ کا مختصر خطاب تھا ۔ عصر کی نماز ہم نے کرس کی جامع مسجد اہل حدیث میں ادا کی پھر امیر محترم نے پون گھنٹے کا "مسلمان فرقوں میں اتحاد" کے موضوع پہ خطاب فرمایا خطاب کے بعد چائے سے فارغ ہونے کے بعد اب ہمارا یہ قافلہ سکردو کے لئے روانہ ہوا ۔

کرس میں ہمارے استقبال کے لئے سکردو کے DSP پہلے سے ہی موجود تھے اور اب سکردو کے لئے وہ بھی ہمارے قافلے میں شامل ہو گئے تھے مغرب کی نماز ہم نے سکردو کے سٹلائیٹ ٹاؤن کی مسجد میں ادا کی یہاں حامد نواز صاحب اور

بریگیڈیر حامد جلیل صاحب پہلے ہی سے موجود تھے ۔ مغرب کی نماز کے بعد معلوم ہوا کہ آج سے ہمارا قیام بریگیڈیر حامد جمیل صاحب کے یہاں رہے گا چنانچہ ہم لوگ حامد جمیل صاحب کے ہاں منتقل ہو گئے ۔ جہاں رات کچھ دیر تک لوگ ملاقات کے لئے آتے رہے ۔

۱۶ / جون بروز بدھ

آج ہمیں شگر کے لئے روانہ ہونا تھا ۔ بلتستان کو چار ڈویژن میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ سب سے بڑا ڈویژن اسکردو ہے پھر خپلو، شگرا ور کھرما کے نام آتے ہیں ۔ ان دنوں شگر سے ۱۲ کلومیٹر پہلے اور ٹھور گو سے کچھ آگے ایک وسیع و عریض میدان میں پورے بلتستان کی مجموعی فوج کی سالانہ مشقیں ہو رہی تھیں ۔ بریگیڈیر حامد جمیل صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو خاص طور پر مدعو کیا تھا کہ شگر جاتے ہوئے کچھ دیر ٹھہر کر ان مشقوں کا نظارہ ضرور کریں ۔ (ہمیں اس وقت تو بریگیڈیر صاحب کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی ۔ لیکن بعد میں ان مشقوں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ یہ نظارہ واقعی قابل دید تھا ۔) آٹھ بجے صبح اسکردو سے روانہ ہو کر ۹ بجے ہم لوگ ٹھور گو پہنچ گئے ۔ فوجی مشقیں شروع ہونے والی تھیں ۔ ہمیں ایک بلند مقام پر مناسب فاصلے پر بٹھا دیا گیا جہاں سے نیچے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا ۔ یہاں سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر مصنوعی ٹارگٹ بنائے گئے تھے اور پورا جنگ کا ماحول CREATE کیا گیا تھا ۔ وہاں ریہرسل ہو رہی تھی کہ کس طرح پاکستانی فوج دشمن پر حملہ کرتی ہے ، دفاع کس طرح کیا جاتا ہے اور جوابی حملے کا کیا انداز ہوتا ہے ۔

ہم یہاں سے شگر کے لئے روانہ ہوئے ۔ شگر جاتے ہوئے چونکہ زبردست چڑھائی چڑھنی پڑتی ہے اس لئے ۱۰ کلومیٹر کا یہ مختصر فاصلہ پون گھنٹے میں طے ہوا ۔ سوا گیارہ بجے ہم شگر پہنچے جہاں امیر محترم کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا گیا ہمیں سید حار یسٹ ہاؤس لے جایا گیا جہاں پہلے ہی سے لوگ ڈاکٹر صاحب کا انتظار کر رہے تھے کچھ دیر تک لوگ ملاقات کے لئے آتے رہے ۔ چائے سے فارغ ہونے کے بعد ۱۲ بجے ڈاکٹر صاحب نے ریسٹ ہاؤس ہی کے لان میں "اتحاد" کے موضوع پر قدرے مفصل خطاب کیا ۔

SDM جناب احمد علی صاحب کے گھر روانہ ہوئے، جہاں ہم سب چائے پر مدعو تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام کیا اور نماز ظہر کے بعد احمد علی صاحب نے زہر امہرا (ایک قیمتی پتھر) کا بنایا ہوا پیالہ تحفتاً پیش کیا۔ سوا تین بجے ہم نے یہاں سے واپسی کا قصد کیا اور تقریباً ساڑھے چار بجے ہم واپس سکردو پہنچے۔ اب ہمارا پروگرام یہاں سے کچورا کی تفریح گاہ جانے کا تھا جو کہ حامد جمیل صاحب نے پہلے ہی سے طے کر لیا تھا اور بعد نمازِ مغرب کچورا کی مسجد میں درس قرآن تھا۔

۵ بجے ہم یہاں سے کچورا روانہ ہوئے۔ کچورا کی تفریح گاہ کا ابھی افتتاح نہیں ہوا تھا ارباب نیاز محمد خان (وزیر سیاحت) اس کا افتتاح کرنے کیلئے تشریف لائے ہوئے تھے امیر محترم کی ان سے ملاقات بھی ہوئی۔ یہاں پہنچ کر سب سے پہلے نمازِ عصر ادا کی اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو یہاں کی سیر کروائی گئی اور لانچ کے ذریعے جھیل پار کروائی گئی۔ حامد جمیل صاحب نے بتایا کہ یہ پاکستان کی صف اوّل کی اور خوبصورت ترین تفریح گاہوں میں سے ہے یہاں ناشتے کا کافی بھاری انتظام کیا گیا تھا جو کہ فوج کے انجینئرنگ شعبے کی طرف سے تھا مغرب سے ۱۰ منٹ پہلے ہم مسجد روانہ ہوئے جہاں امیر محترم کا درس قرآن تھا یہاں آپ نے سورہ حج کی آخری دو آیات کا درس دیا یہ درس ایک گھنٹے کا رہا۔ اس میں فوج کے اعلیٰ افسران اور فوج کے جوانوں نے شرکت کی۔

درس قرآن کے بعد جب جیپ کا رُخ دوبارہ تفریح گاہ کی طرف دیکھا تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ رات کے کھانے کا انتظام بھی فوجی افسران نے وہیں کر رکھا ہے کھانے سے ½ ۹ بجے فارغ ہوئے اس کے بعد قہوے کا دور چلا ۱۱ بجے کے قریب ہم واپس سکردو قیام گاہ پہنچے۔

۱۷ جون بروز جمعرات

آج بلتستان میں ہمارا آٹھواں دن تھا۔ ۱۱ بجے صبح ہمیں تھور گو پہنچنا تھا جہاں ڈاکٹر صاحب کو افواجِ پاکستان سے خطاب کرنا تھا۔ حسب پروگرام ہم تھورگو پہنچے جہاں فوج کے جوان نہایت منظم طریقے پر قطاروں میں بیٹھے نظر آئے۔ بریگیڈیئر حامد جمیل صاحب کے افتتاحی کلمات کے

بعد امیر محترم نے "ایمان - تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ" کے موضوع پر مفصل خطاب فرمایا - یہ حد درجہ جامع خطاب تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا - (اسی موضوع پر ڈاکٹر صاحب اس سے قبل 'پیون' میں فوج کے جوانوں سے خطاب فرما چکے تھے -) آخر میں بریگیڈیئر حامد جمیل صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری پر اُن کا شکریہ ادا کیا اور ان تاثرات کا اظہار کیا کہ "ایمان - تقویٰ اور جہاد" کے الفاظ تو ہم بہت عرصے سے سُنتے آرہے ہیں لیکن ان الفاظ اور اصطلاحات کی حقیقت آج منکشف ہوئی ہے - انہوں نے مزید کہا کہ اب جبکہ ان دینی اصطلاحات کا صحیح مفہوم ہمارے علم میں آچکا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان پر صحیح طور پر عمل کریں — دوپہر کے کھانے کے بعد ہم واپس اسکردو روانہ ہوگئے — بعد نماز مغرب چونکہ امیر محترم کو پھر تقریر کرنا تھی اس لئے آپ نے دوپہر کو اپنی قیام گاہ (اسکردو) پر آرام کیا۔

مغرب کے قریب ہم اسکردو ملٹری آڈیٹوریم پہنچ گئے - جہاں ڈاکٹر صاحب کو اس نئے تعمیر شدہ آڈیٹوریم کا افتتاح کرنا تھا - اور افتتاح کا طریق کار یہ طے پایا تھا کہ بجائے مروجہ طریق پر فیتہ کاٹنے کے، ڈاکٹر صاحب سیرت النبیؐ پر تقریر کریں گے۔ اور اسی کو افتتاح متصور کیا جائے گا -

آڈیٹوریم کے باہر صفیں بچھا کر نماز مغرب کا اہتمام کیا گیا تھا - نماز ادا کرنے کے بعد جب ہم آڈیٹوریم میں داخل ہوئے تو آڈیٹوریم سامعین سے مکمل طور پر بھر چکا تھا - اس میں اکثریت تو اہالیانِ شہر کی تھی تاہم سول اور ملٹری آفیسرز کی ایک بڑی تعداد بھی سامعین میں شامل تھی - خواتین کے لئے پردے کا انتظام کیا گیا تھا — حسب سابق بریگیڈیئر حامد جمیل صاحب نے افتتاحی کلمات ادا کئے اور فرمایا کہ "لوگ جب کسی چیز کا افتتاح کرتے ہیں تو فیتہ کاٹتے ہیں اور مختلف رسمیں ادا کرتے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تمام رسوم غیر اسلامی ہیں - یہی وجہ ہے کہ میں نے اس موقعہ پر ڈاکٹر صاحب کو یہ زحمت دی ہے کہ وہ یہاں سیرت کے مبارک موضوع پر تقریر فرمائیں" بریگیڈیئر صاحب نے اسے اپنی خوش نصیبی قرار دیا کہ اس ملٹری آڈیٹوریم کا افتتاح ایک نیک کام سے ہو رہا ہے — سیرتِ مبارکہ پر مفصل تقریر کے بعد آخر میں ڈاکٹر صاحب نے نہایت اختصار کے ساتھ، مختلف فرقوں کے اتحاد کے موضوع پر اُنہی خیالات کا اظہار

فرمایا جو اس سے قبل وہ خپلو کے جلسۂ عام میں پیش فرما چکے تھے۱؎ ـــــ ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر کو سامعین نے نہایت تحمل اور انہماک سے سُنا۔ حاضرین کی تعداد اس قدر تھی کہ اچھا خاصا وسیع آڈیٹوریم تنگیٔ دامانی کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ اور بہت سے لوگ جگہ نہ ملنے کے باعث آڈیٹوریم کے باہر کھڑے ہو کر تقریر سُن رہے تھے ـــ تقریر کے بعد ہمیں ملٹری میس (MESS) لے جایا گیا جہاں کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس طرح رات کوئی ۱۱ بجے ہمارے لئے اپنی قیام گاہ پر پہنچنا ممکن ہوا۔

۱۸ جون بروز جمعہ | نماز جمعہ سے قبل چونکہ آج کوئی اور پروگرام نہیں تھا اس لئے ۱۲½ بجے تک ہم لوگ فارغ تھے ڈاکٹر صاحب تو اس وقفے میں بھی مصروف ہی رہے کیونکہ ملاقات کے لئے لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن میں نے اور عاطف نے اس وقفے سے فائدہ اٹھایا اور ہم بریگیڈیئر صاحب کے لڑکوں، اویس اور حسن کے ساتھ سد پارہ جھیل دیکھنے چلے گئے۔ چونکہ پہلے روز پروگرام کے ملتوی ہونے کے باعث ہم جھیل دیکھنے نہیں جا سکے تھے اور اس موقعہ پر ہمارے پاس وقت بھی تھا لہٰذا انتخاب اسی پر پڑی۔ حسب پروگرام ۱۲½ بجے جھیل سے ہو کر ہم واپس اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ جہاں سے پونے ایک بجے ہم نماز جمعہ کے لئے روانہ ہو گئے ـــ نماز جمعہ کے لئے ہمیں ملٹری کی زیر تعمیر مسجد جانا تھا۔ جہاں امیر محترم کو اجتماع جمعہ سے خطاب کرنا تھا۔ مسجد اسکردو ائرپورٹ سے کچھ آگے گلبار کے علاقے میں واقع تھی۔ سخت آندھی کے باوجود لوگوں کی ایک کثیر تعداد امیر محترم کو سننے کے لئے جمع تھی۔ گو مسجد کی چھت نہ ہونے کے باعث کافی دِقت کا سامنا تھا لیکن جب تقریر شروع ہوئی تو لوگوں نے پورے تحمل اور دلجمعی کے ساتھ تقریر کو سنا۔ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد لگ بھگ تین بجے ہم اپنی قیام گاہ واپس پہنچے۔

نماز عصر مسجد میں ادا کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مسجد سے متصل مدرسے کا سنگِ بنیاد رکھا اور مدرسے کا نام "الہُدیٰ" تجویز کیا۔ بعد ازاں مدرسے کی ترقی کے لئے دُعا کی گئی۔ قیام گاہ پر واپس پہنچے تو ملاقاتوں اور سوال جواب کا سلسلہ شروع

۱؎ خپلو کی مذکورہ بالا تقریر کا خلاصہ میثاق کے اسی شمارے میں شامل کیا گیا ہے۔

ہوا۔اس موقعہ پر پانچ افراد نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی ۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں : مولوی کریم بخش صاحب (فارغ التحصیل جامعہ مدنیہ)، جناب شہزاد صاحب، حافظ محمد بلال صاحب ، جناب روزی محمد صاحب اور جناب عبدالرشید صاحب ——— ہمارے نئے رفیق جناب شہزاد صاحب نے امیر محترم سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ (امیر محترم) جب مغرب کے وقت درس کے لئے شہر تشریف لائیں تو شہر میں اُنکی دکان پر ضرور تشریف لائیں ——— اور اُن کے والد صاحب سے بھی ملاقات کریں ۔ چنانچہ اُن کی خواہش کے احترام میں ڈاکٹر صاحب مغرب کی نماز سے ذرا پہلے شہزاد صاحب کی دکان پر گئے اور ان کے والد جناب لال محمدؐ صاحب سے ملاقات کی ۔ مسجد وہیں بازار کے قریب تھی ۔ نماز مغرب کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مسجد کی عظمت قرآن مجید کی روشنی میں، کے موضوع پر مختصر خطاب کیا مزید براں وہاں کی انتظامیہ کی درخواست پر مسجد کی توسیع کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کرائی ۔ ڈاکٹر صاحب نے خود اس بات کا وعدہ کیا کہ آپ لوگ جتنی رقم یہاں اس موقع پر اکٹھی کریں گے اتنی ہی رقم ان شاء اللہ وہ لاہور سے اکٹھی کروا کر بھجوا دیں گے وہاں ۲۵ ہزار روپے جمع ہوئے ۔ کچھ نقدی کی صورت میں اور کچھ وعدوں کی شکل میں![1]

رات کا کھانا ڈپٹی کمشنر بلتستان جناب محمد شریف صاحب کے ہاں تھا ۔ چنانچہ مسجد سے ہم سیدھے اُن کے یہاں گئے ۔ کھانے سے فارغ ہوکر ہم رات دیر سے اپنی قیام گاہ پہنچے ۔ اگلی صبح ہماری روانگی تھی ۔ موسم کے بارے میں معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ ریڈیو کی اطلاع یہ ہے کہ مطلع ابر آلود رہے گا ۔ جو اس بات کی علامت تھی کہ فلائٹ کا معاملہ مشکوک ہے ۔ اس پر ساتھی متفکر ہوئے ۔ کیوں کہ تین روز سے ڈاکٹر صاحب کو ۱۰۰ ٹمپریچر تھا ڈاکٹر صاحب کو جس دوا کی ضرورت تھی وہ یہاں نہیں مل سکی تھی اس لئے راولپنڈی سے منگوائی تھی جو آج فلائٹ کے کینسل ہوجانے کی وجہ سے نہیں پہنچ سکی لیکن خود ڈاکٹر صاحب نہایت مطمئن تھے اور انہوں نے ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر اللہ تعالےٰ کو ہمارا پنڈی پہنچنا منظور ہوا تو انشاء اللہ ہم ہر حال میں پہنچ جائیں گے ۔ الحمدللہ ایسا ہی ہوا ۔

---

[1] ڈاکٹر صاحب نے حسبِ وعدہ متذکرہ بالا رقم مسجد کیلئے بھجوادی ہے ۔ یہ رقم مسجد دارالسلام (لاہور) کے نمازیوں کے تعاون سے جمع کی گئی ۔

۱۹ر جون بروز ہفتہ بلتستان میں آج ہمارا دسواں دن تھا اور آج ہمارا واپسی کا قصد تھا۔ بلتستان میں ہمارے ۹ دن بہت ہی بھرپور اور ہنگامہ خیز انداز میں گزرے تھے۔ صبح ایک قصبے میں ہیں تو شام دوسرے شہر میں گزر رہی ہے، صبح ایک مقام پر تقریر ہوئی ہے تو شام کسی اور جگہ درس کا پروگرام ہے۔ غرض یہ کہ یہ نو دن اتنے معروف گزرے تھے کہ وقت گزرنے کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ بلتستان کے عوام نے جس انداز سے اور جس خلوص سے ہماری آؤ بھگت کی تھی اس کا خوشگوار تاثر ایک عرصے تک ہمارے ذہنوں سے محو نہیں ہو سکے گا۔ اور یہ نو دن ہمیں اپنی زندگی کے ایک قیمتی اثاثے کے طور پر ہمیشہ یاد رہیں گے۔

۵½ بجے اپنی قیام گاہ سے سکردو ایرپورٹ روانہ ہوئے ڈاکٹر صاحب بریگیڈیر حامد جمیل صاحب کی جیپ میں تھے بہت کم ایسا ہوا ہے کہ ڈاکٹر صاحب صوفی محمد صاحب کی جیپ کے علاوہ اور کسی کی جیپ میں بیٹھے ہوں کیوں کہ انہوں نے ایک مہینے قبل اپنی جیپ کی مرمت ہی صرف اس خیال سے کرائی تھی کہ ڈاکٹر صاحب بلتستان میں اس جیپ پر سفر کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کے اس خلوص اور جذبے کی قدر اس طور سے کی کہ اس بات کا اہتمام التزام کیا کہ سفر کے وقت اپنے لئے اسی جیپ کو ترجیح دیتے ایرپورٹ پر جناب ڈی سی صاحب، DMLA جناب حامد جمیل صاحب میجر حامد نواز صاحب، میجر سرور صاحب SDM جناب غلام نبی صاحب خپلو جناب حشمت اللہ صاحب DSP اسکردو جناب شوکت رشید صاحب اور اعلیٰ سرکاری افسران کے علاوہ نوربخشیہ کے مولانا عبداللہ صاحب، سید کاظم علی صاحب اور اہل سنّت کے مولانا عبدالرشید صاحب اور غازی علی محمد صاحب، مزید براں اور تمام ساتھی بھی خدا حافظ کہنے کے لئے موجود تھے ڈاکٹر صاحب نے فرداً فرداً سب سے ہاتھ ملایا اور سب کا شکریہ بھی ادا کیا۔ اسکردو ائرپورٹ سے ہمارے جہاز نے چھ بجکر ۳۵ منٹ پر Take off کیا۔ اور حسب سابق پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں سے ہوتا ہوا یہ فوکر طیارہ اسلام آباد ایرپورٹ پہنچ گیا۔ اور اس طرح ہمارا یہ خوبصورت اور یادگار سفر اپنے اختتام کو پہنچا۔

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE" ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.

paragon

ضمیمہ رپورتاژ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر کا خلاصہ ——— اور ——— جیّد شیعہ عالم دین جناب سید علی صاحب کے تاثرات

بلتستان میں خپلو کے مقام پر جلسہ عام کو خطاب کرنے کیلئے ڈاکٹر صاحب نے سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کو موضوع گفتگو بنایا اور اس کے حوالے سے اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے، مسلمان جینے اور مسلمان مرنے، اعتصام بالقرآن کا التزام کرنے اور انتشار و افتراق سے دامن بچا کر اس دور میں دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت پر ایک مدلّل و مؤثر تقریر فرمائی، جس کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ " میں آپ حضرات کی والہانہ عقیدت کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ چونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ کنوئیں میں پانی ہو تو اس سے کافر بھی استفادہ کرے گا اور مسلمان بھی ——— دل سے شکر کا جذبہ ہی ختم ہو گیا ہو تو پھر شکر نہ اللہ کا ہو گا نہ انسانوں کا۔ دل کے کنوئیں میں شکر کے جذبے کا پانی ہی نہ ہو تو پھر شکر خالق کے لئے ہو گا نہ مخلوق کے لئے۔ آپ حضرات نے جس سکون اور توجہ سے میری باتیں سنی ہیں، وہ میرے لئے واقعۃً بہت انتہائی شکر کا باعث ہیں۔ چونکہ مجھے معلوم ہے کہ اس اجتماع میں نوربخشی مسلک کے لوگوں کی اکثریت ہے۔ میں اس موقع پر اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے نوربخشی مسلک کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ آج سے دس سال قبل تک تو میں نے اس مسلک کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ وہ تو آج سے تقریباً دس سال قبل پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا ایک مضمون " اسلام میں تصوّف " کے بارے میں شائع ہوا تھا تو اس مضمون کے ذریعے میں اس مسلک کے نام سے واقف ہوا۔ اس مضمون میں بعض باتیں اس مسلک کے خلاف شامل تھیں۔ اس کے بعد اس کی تردید میں مجھے ایک مضمون بھیجا گیا کہ پروفیسر صاحب کے مضمون میں اس مسلک کے متعلق جو باتیں شائع ہوئی ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں۔ میں نے وہ تردید بھی شائع کر دی۔ بعد میں کچھ معلومات مجھے حق نواز صاحب سے حاصل ہوئیں جو بلتستان سے تعلق رکھتے ہیں اور تنظیم اسلامی کے رفیق ہیں۔ یہاں آ کر مجھے اس مسلک کے متعلق کچھ کتابیں ملی ہیں۔ ابھی میں نے ان کا سرسری مطالعہ کیا ہے اور میری رائے ہے کہ جس طرح ہمارے ہاں تصوف کے چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ

اور سہروردیہ سلاسل چلے آرہے ہیں اسی طرح کا نوربخشیہ بھی تصوّف ہی کا سلسلہ ہے۔ نوربخش مرحوم بھی ایسے ہی ایک بہت بڑے صوفی بزرگ تھے لہٰذا جو لوگ ان کے ذریعے راہ ہدایت پر آئے ظاہر بات ہے ان کے ساتھ دلی محبت اور دلی عقیدت ہونا ایک فطری عمل ہے۔ چنانچہ ان کی تعلیمات پر مشتمل ایک فقہ بھی وجود میں آگئی ـــــــ میں ابتدا ہی میں عرض کر چکا ہوں کہ فقہی اختلاف کے باوصف یہ تمام مسالک اسلام کے اندر ہیں۔ اگر کوئی فرق و اختلاف ہے تو وہ یہ ہے۔ اس سے حقیقی اتحاد میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ فقہی اختلافات تو ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین کے دور میں بھی نظر آتے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ان تعبیر و رائے کے اختلاف کو ختم کر دینا چاہیئے، وہ بہت ہی سادہ لوح شخص ہے۔ فرق مٹے گا نہیں وہ باقی رہے گا۔ جو شخص یہ بات کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کے لئے کوئی کام نہیں کرنا چاہتا اسی لئے وہ ایک انہونی بات کر رہا ہے۔ آسمان سے تارے توڑنے کی آرزو تو کی جا سکتی ہے۔ عملاً تارے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ اسی طریقے سے یہ جان لیجئے کہ اس وقت مسلمانوں میں جو فقہی مسالک اور فرقے موجود ہیں وہ ختم نہیں ہو سکتے۔ ان کی ایک طویل تاریخ ہے اور ان کے پیچھے تواتر کے ساتھ تعامل موجود ہے۔ اب آپ شیعہ سُنّی اختلاف ہی کو دیکھ لیجئے، وہ تو ہمارے سلف سے چلا آرہا ہے۔ یہ اختلاف تو رہے گا۔ رہے کوئی حرج نہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ اختلافات و افتراق کی باتوں کی بجائے مشترک باتوں کو اپنی توجہات کا مرکز بنائیں۔ اشتراک کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں ان پر توجہ رہے تو اختلاف ہیچ نظر آئیں گے۔ دیکھئے تمام مسالک میں عقیدہ توحید، رسالت اور آخرت مشترک ہے۔ یعنی اللہ کی وحدانیت پر اشتراک ہے۔ قرآن مشترک ہے۔ جناب محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم بحیثیت خاتم النبیین مشترک ہیں اور بے شمار مسلّمات دین مشترک ہیں۔ سب کے نزدیک ارکانِ اسلام (نماز پنجگانہ، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی عبادات) مشترک ہے۔ فرض نماز کی ہیئت مشترک ہے۔ اس کے اوقات اور تعداد مشترک ہیں۔ یعنی ہر فرقے کا مسلمان ایک ساتھ باجماعت نماز ادا کر سکتا ہے۔ جس کا نظارہ حج کے موقعہ پر نظر آتا ہے کہ سب فرقے کے لوگ ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ نماز کی ترتیب میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف ہے تو یہ کہ کوئی قیام میں ہاتھ باندھتا ہے کوئی نہیں باندھتا۔ کوئی رفع یدین کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا۔ چند دوسرے بھی جزوی اختلافات ہیں۔ لیکن غور کیجئے کہ کسی فرض نماز کی ہیئت، ترتیب اور تعداد میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت اور کتنا بڑا احسان ہے کہ مسلّمات دین میں سے کسی فقہی مسلک میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ اس نوع کا اختلاف ہوتا تو وحدت امت کی [illegible]

کہ "اسلام" کے نام سے ہمارا دین باقی ہی نہ رہتا۔ لہٰذا فقہی اور دوسرے چند فروعی اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی ہمیں بالاتر سطح پر اسلامی اتحاد کے لئے اپنے دلوں کو کشادہ کرنا چاہیئے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی مسلک کی کوئی چیز مجھے ناپسند ہو اور کسی کو میرے مسلک کی کوئی چیز ناپسند۔ یہ تو ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ لیکن اس کے لئے دلوں کو کشادہ اور وسیع رکھنا چاہیئے اور اس کے متعلق یہ رائے رکھنی چاہیئے کہ یہ ایسی بنیادی بات اور اختلاف نہیں ہے کہ "من دیگرم تو دیگری" کا معاملہ ہو۔ جزوی اور فروعی تعبیرات اور آراء میں اختلاف کوئی نئی بات نہیں ہے ——— بس میں اسی پہ آج کی اپنی تقریر ختم کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کے متفق علیہ حصّوں پر زور دینے اور اس کی بنیاد پر آپس میں اتحاد پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب اس سہ نکاتی پروگرام پر عمل پیرا ہو جائیں جو میں نے سورہ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کے حوالے سے آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ جس کے خلاصے کے طور پر پہلی بات یہ ہے کہ خود اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ حلال اور حرام کی شرائط اپنے اوپر عائد کرو۔ حرام میں منہ نہ مارو۔ حلال پر اکتفا کرو۔ دوسری بات یہ ہے کہ حبل اللہ یعنی قرآن حکیم کو مضبوطی سے تھامو اور آپس میں تفرقہ بازی نہ کرو اور تیسری بات یہ کہ منظم ہو کر جماعتی شکل میں دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے سرگرم عمل ہو جاؤ ———

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب کے بعد نوربخشی مسلک کے مشہور عالم دین جناب عبداللہ صاحب نے بلتستانی زبان میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا خلاصہ اور ڈاکٹر صاحب کو خراج تحسین پیش کیا کہ انہوں نے نہایت فصیح و بلیغ اور فرقہ واریت کی عصبیت اور اس کے تعصّب سے بالاتر ہو کر دین کی حقیقی، صحیح اور اصولی دعوت پیش کی۔

صاحب موصوف کے بعد بلتستان کے شیعہ مسلک کے سب سے زیادہ معتمد علیہ عالم حضرت سید علی صاحب نے حسب ذیل خیالات کا اظہار فرمایا۔ جس کے دوران پورا مجمع گاہے گاہے سبحان اللہ! کے نعروں کی صورت میں تحسین سے گونجتا رہا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔ نفقد قال اللہ تبارک و تعالیٰ

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝

حضرات! میں نے جو آیت تلاوت کی ہے تو شاید آپ بلاشبہ محسوس کریں گے کہ

یہ مولوی ہے۔ تقریر کرنے لگا ہے۔ تقریر تو میں کر ہی نہیں سکتا ہوں۔ اس لئے کہ تقریر کرنے والا اتنا شعور تو رکھتا ہے کہ لوگوں کے لئے تقریر بہتر ہو اور لوگ سننے کے لئے آمادہ ہوں۔ اتنا تو مجھے تجربہ ہے کہ تقریر کسے کہتے ہیں۔ مثلاً بہار کے بعد اگر کوئی شخص اور ایک بہار لانا چاہے تو ناممکن ہے۔ اسی طرح بے نظیر تقریر، بے مثل خطاب ہو جانے کے بعد اگر میں آپ سے خطاب کروں اور آپ کے سامنے تقریر کرنے کی جرأت کروں تو یہ میری نادانی ہوگی۔

لیکن میں اتنا تو عرض کروں گا کہ اس آیت کی بابت لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ رسولؐ خدا کی طرف وحی ہوئی اور وحی کی بابت اس کا ترجمہ یہی ہے۔ خلاصہ یہی ہے کہ وحی کی گئی ورنہ یہاں مطلب اس وحی کی تشریح نہیں ہے۔ البتہ یہ یاد رکھیں اس میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ ہاں اس پیغمبرؐ کو خدا کی طرف سے خدائی احکام دیئے گئے ہیں آیاتِ الٰہی دی گئی ہیں تو آج میں حیران ہوں ان کے نام کی مناسبت سے مہمان عظیم کا اسم گرامی "اسرار احمد" ہے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ "س" کے ساتھ ہے "ص" کے ساتھ تو ہو بھی نہیں سکتا اور "اسرار احمد" کا مطلب ہے احمد مرسلؐ کے ہمراز۔ تو یہ احمد مرسل کے ہمراز کیوں ہو گئے۔ ان کو یہ خصوصیت کیوں حاصل ہو گئی تقریر سے میں نے سمجھ لیا کہ محمد مصطفیٰؐ کے پاس کوئی راز نہیں ہے۔ اگر انہوں نے اپنے پاس کوئی راز رکھا تو امت کو صحیح رہبری سے صحیح تعلیم سے محروم رکھا۔ محمدؐ کو تو وہ چیزیں دی گئی ہیں جو ہم تک پہنچائی تھیں۔

مطلب یہ ہے کہ صحیح تعلیمات، درست تعلیمات محمدؐ کو جو دی گئی تھیں تو ان کو کس پیرائے میں راز کہا گیا۔ حقیقتاً وہ راز نہیں ہیں تو میں اس کو حسن اتفاق سمجھتا ہوں کہ "اسرار احمد" جو ان کا نام گرامی، نام نامی رکھا گیا تھا وہ بہترین حسنِ اتفاق ہے میں ۱۹۴۷ء میں اپنی تعلیمی زندگی میں جب پڑھنے کے لئے بلتستان سے باہر گیا تھا، اس وقت پاکستان نہیں بنا تھا تو پہلی تقریر میں نے "نواب بہادر یار جنگ" کی سنی تھی۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ بہترین مقرر تھے، مایۂ ناز مفکر تھے۔ بہت بڑے انسان تھے۔ ان کی تقریر لفظ بہ لفظ حرف بہ حرف میرے دل میں اتر گئی۔ اب تک مجھے یاد ہے اور یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ انہوں نے جو تقریر فرمائی تھی اس تقریر

کی تمہید اور تشریح یہی آیت تھی کہ:

یاایھاالذین امنوااتقوااللہ حق تقتٰہ ولاتموتن الاوانتم مسلمون؀

تو میں نے ان کو بہترین مقرر پایا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں جس کی تعریف کرتا ہوں تو وہ آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جب انسان کسی دوسرے انسان کی بات کو دل سے پسند کرے تو سمجھو کہ وہ انسان صحیح انسان ہے اگرچہ میں کہتا ہوں کہ کسی تقریر کو پسند کرنے والا کوئی ادنیٰ انسان ہی کیوں نہ ہو کر سکتا ہے۔

آج میں نے ڈاکٹر صاحب کی تقریر میں جو خوبی پائی اور جب میں تقریر سننے لگا تو نواب بہادر یار جنگ جو ۴۰ سال کی عمر میں جوانی میں مرحوم ہو گئے ان کی یاد تازہ ہو گئی اور یہ تقریر کا لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف میرے دل میں اترتا چلا گیا اور انشاءاللہ میں اس کو اپنی زندگی کا ذخیرہ بنا کر رکھوں گا اور آئندہ اگر اپنے آپ کو مقرر کہوں یا کچھ کہوں تو میں اس تقریر کو ایک مشعلِ راہ کے طور پر استعمال کروں گا۔ میں نے آج ایک نئی چیز پائی وہ یہ کہ بڑے بڑے مقرر آتے ہیں، بڑے بڑے مفکر ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے انسان گزرے ہیں، عالم گزرے ہیں، ادیب گزرے ہیں لیکن زیادہ تر جو گذرے ہیں یا سنی یا شیعہ یا نوربخشی یا حنفی یا اہلحدیث کی حیثیت سے گذرے ہیں۔ خالص مسلمان کم ہی گذرے ہیں۔ میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ میرے علاوہ آپ بھی شاید ہر انسان کو مسلمان سے زیادہ حنفی پاتے ہیں، مالکی پاتے ہیں، اہلِ حدیث پاتے ہیں اور انسان بھی اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ میں شیعہ ہوں یا میں حنفی ہوں، میں سُنّی ہوں اور تقریر کے دوران اسکی زیادہ سے زیادہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو لوگوں کے ذہنوں میں بٹھلائے۔ اپنے مسلک کو لوگوں کے لئے پسندیدہ دکھلانے کی کوشش کرے۔ اپنے مسلک کو صحیح اور درست پیرائے میں پیش کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ اس مقرر کی اصل شخصیت دانشمند لوگوں کو معلوم ہو جاتی ہے اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس مقرر کو اصل میں اسلام نہیں بلکہ اپنا مسلک عزیز ہے اور وہ اسلام کی بجائے اپنے عزیز مسلک کی تبلیغ کر رہا ہے۔ اگر اسرار احمد صاحب لاکھ کہیں کہ

میں فرقوں سے بالاتر ہوں، میں یہ ہوں، میں وہ ہوں۔ لیکن ایک فرقہ ورانہ ذہن رکھنے والے کی تقریر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس مقام پر کھڑا ہے۔ لیکن ڈاکٹر اسرار احمد کی تقریر کے لفظ بلفظ سے ٹپکتا ہے کہ وہ کیا ہیں۔ وہ واقعی ایک دردمند اور مخلص مسلمان ہیں اور ان کی اصل دعوت دین ہی ہے کسی مسلک یا کسی فرقے کی طرف نہیں ہے۔ آج میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، جس میں کوئی تکلف نہیں، خوشامد نہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد صحیح انداز میں سوچنے والا انسان ہے۔ اور دین اسلام کا سچا مبلغ ہے۔ آج کچھ انہوں نے یہاں فرمایا وہ قرآن حکیم کی صحیح تعلیم اور حقیقی پیغام پر مبنی ہے جس کو ہمیں اپنانا چاہیئے ——— انہوں نے حنفیت کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ لوگوں کے ذہن میں اس چیز کو اتارنے کی کوشش کی کہ اسلام لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ اسلام کے تقاضے لوگوں کو معلوم ہو جائیں۔ اسلام کی تعلیمات کو کس طرح عام کرنا چاہیئے۔ کس طرح اس کی اشاعت ہونی چاہیئے۔ یہ چیزیں انہوں نے آپ لوگوں کو سمجھائیں اور واقعی آپ اپنی جگہ کچھ بھی ہوں، کسی مذہب کے پیرو ہوں، کسی مسلک کے مقلد اور معتقد ہوں۔ آپ سب کے لئے اسرار احمد نے جو تقریر کی ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ سچے مسلمان بنو اور مسلمان کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرو۔ ان کی تقریر کا لفظ بہ لفظ، حرف بحرف صحیح ہے۔ ہمارے لئے مشعل راہ ہے ہر مسلمان کے لئے کارآمد ہے اور اس تقریر کو آپ سن کر صرف واہ واہ کہتے ہوئے اس جلسے سے برخاست نہ ہو جائیں بلکہ اس کے لفظ لفظ کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد "وما علینا الا البلاغ المبین" آپ کہیں تو بجا ہے تو میں یہاں ڈاکٹر اسرار احمد کی آمد پر بہت مسرت کا اظہار کرتا ہوں۔ اگر ایسی تقریریں بار بار ہو جائیں تو شاید ہماری ہستی بدل جائے اور ہماری بگڑی بن جائے۔ بس میں اب ڈاکٹر صاحب کی یہاں آمد پر ان کو تہِ دل سے پھر خوش آمدید پیش کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العٰلمین !!

راولپنڈی میں
درس قرآن
تدریس عربی

تنظیم اسلامی راولپنڈی

کے زیر اہتمام

ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب

فیری لینڈ ہائی اسکول

نزد

چاندنی چوک سیٹلائٹ ٹاؤن میں

درس قرآن و تدریس عربی

کا پروگرام ہوتا ہے

شرکت کی دعوت عام ہے

الداعی

سید اکرم علی واسطی

ناظم فیری لینڈ ہائی اسکول

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶-۳۱ ۲۳۹۳۱

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

سورۃ الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۶۸ / ۳۰۵۴۶۹

التاجر الامین الصدوق المسلم مع الشهداء یوم القیامة

(قول رسول ﷺ)

☆

IRAN-LAHORE TRADING CORPORATION

Flat Nos. 14-15, 63-Shadman Commercial Market,
LAHORE — PAKISTAN

Cable Address :
PAYANDEPAK
Tel : 417353
TLX No. 44944 & 44942 CTO LH

☆

Reliable Exporters of :

★ Canvas Cloth (Waterproofed & Grey), Tents & Tarpaulins.

★ Cotton Yarn (Single / Twisted).

★ Hand-knotted Woollen Carpets.

★ Auto Spare Parts.

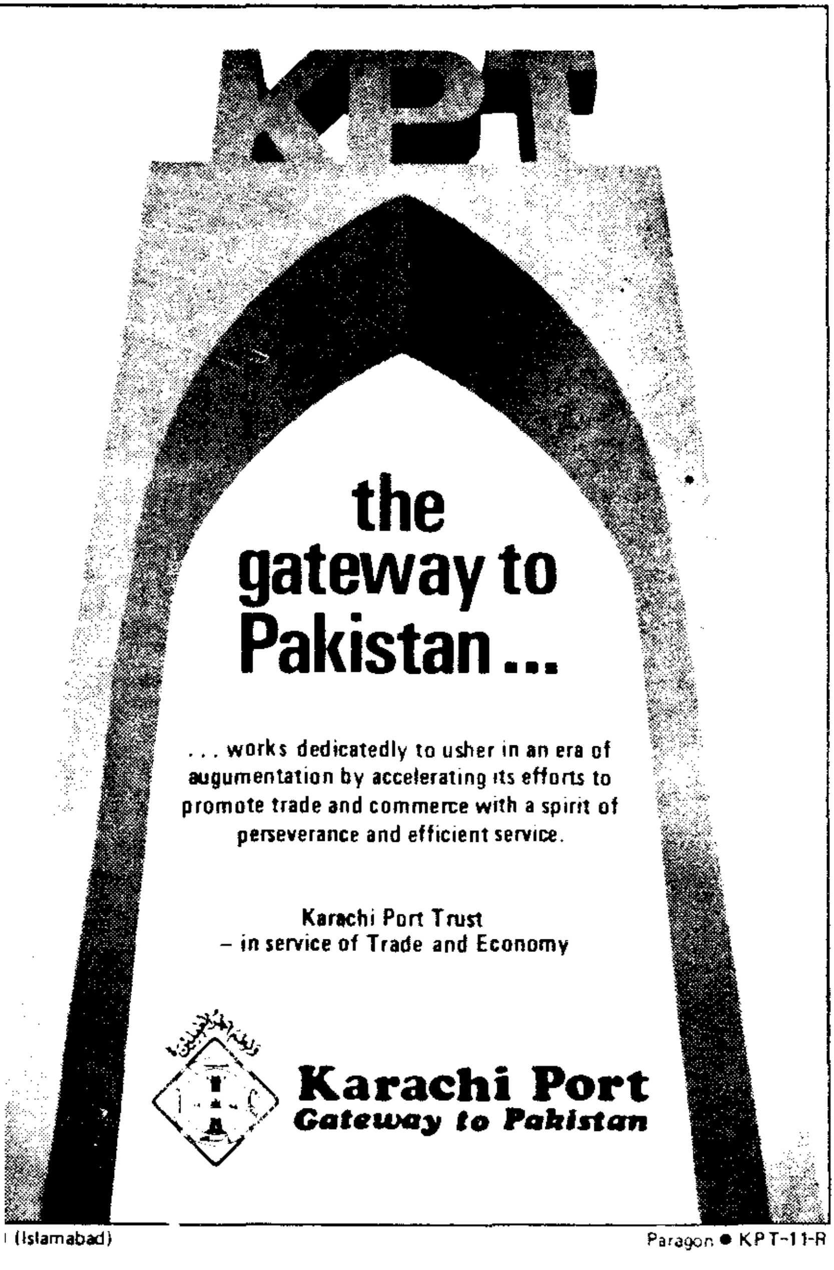

I (Islamabad)

Paragon ● KPT-11-R

Regd. L. No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol 31 SEPTEMBER 1982 No. 9

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

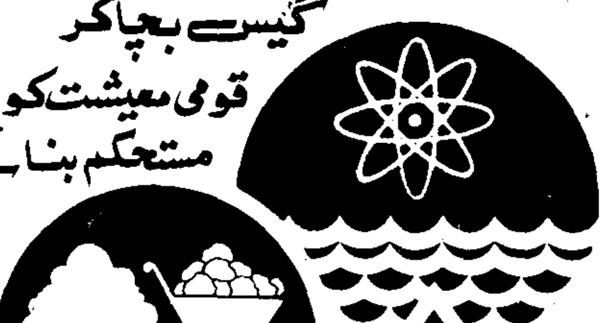

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ قیمتی ہے۔
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SUI NORTHERN

SNGPL 4/80

paragon